الله

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ

اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کیلئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت (یعنی معرفت حاصل) کریں

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

کتابچہ نمبر 19

شاہراہِ معرفت

اکابر بالخصوص مجددین رحمۃ اللہ علیہم کی تعلیمات کے تعارف کیلئے

حضرت سید شبیر احمد کاکاخیل دامت برکاتہم

مسترشد حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ

و خلیفہ مجاز دیگر اکابر رحمۃ اللہ علیہم

ناشر : خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ راولپنڈی

حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت کاکا صاحبؒ، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ
کے علوم شریعت، طریقت اور حقیقت (معرفت) سے کتابچوں کا سلسلہ

شاہراہِ معرفت

کتابچہ نمبر 19

(ربیع الثانی۔1445ھ، بمطابق معراج۔1402 شمسی ہجری)

(بمطابق: اکتوبر، نومبر 2023ء)

زیرِ سرپرستی

حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکا خیل صاحب مدظلہ العالی

مقصد: اسلاف کی تحقیقات سے اُمّت کو آجکل کی
سمجھ میں آنے والی زبان میں روشناس کرنا

مجلس تحقیقات

زین العابدین صاحب مدظلہ

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ

مکان نمبر CB-1991/1 ۔ بلمقابل جامع مسجد سیدنا امیر حمزہ
گلی نمبر4۔ اشرف لین نزد آشیانہ چوک۔ اللہ آباد۔ ویسٹرج 3 ۔ راولپنڈی

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
1	دیباچہ	2
2	حمدِ باری تعالیٰ	4
3	نعت شریف	7
4	عارفانہ کلام	11
5	مطالعۂ سیرت بصورتِ سوال	13
6	اصلاحی بیان	18
7	تعلیماتِ مجدّدِیہ	32
8	مقاماتِ قطبیہ و مقالاتِ قدسیہ	62
9	توضیح المعارف (قسط ہشتم)	84
10	خانقاہ کے شب و روز	92

دیباچہ

الحمدللہ، اللہ پاک کا شکر ہے کہ جس نے ہمیں اِس پُر فتن دور میں بزرگوں کی تعلیمات کو آج کل کی آسان زبان میں عوام تک پہنچانے کا ذریعہ بنایا ہے۔ اسی سلسلے میں خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ کے ماہانہ کتابچے ''شاہراۓ معرفت'' کا انّیسواں شمارہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

سابقہ شماروں کی طرح اس شمارے کی ابتدا بھی حمد و نعت سے کی گئی ہے اس کے بعد ایک کلام شامل کیا گیا ہے۔

اس شمارے میں جو نثری مضامین شامل کیے گئے ہیں، ان میں پہلا مضمون ''مطالعۂ سیرت'' کے عنوان سے ہے جس میں شروع میں ایک بشارت کا ذکر ہے اس کے بعد ایک سوال کے جواب میں اس بات کی طرف رہنمائی کی گئی ہے کہ ہمیں تہمت سے بچنے کے لیے کیا کیا طریقے اختیار کرنے چاہیئے۔

دوسرا مضمون کچھ عرصہ قبل مری میں منعقدہ ایک اصلاحی جوڑ کا اختتامی بیان ہے جس میں صحبتِ صالحین کی اہمیت، نفس کے حجابات دور کرنے کی ضرورت اور اصلاح کے تین معروف طریقوں کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

گزشتہ شمارے میں ''توضیح المعارف'' کی قسط نمبر 7 شامل کی گئی تھی جس میں کچھ بنیادی اصطلاحات کی تشریح کی گئی تھی۔ اس شمارے میں قسط نمبر 8 کو شامل کیا جارہا ہے جس میں شروع میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان حقائق کا جاننا کس کے لئے ضروری ہے؟ پھر اللہ پاک کے وجود پر سائنسی دلائل پیش کرنے کے بعد کائنات کی تخلیق کی نوعیت، جعلِ مرکب اور جعلِ بسیط کی بحث شامل کی

گئی ہے۔

جیسا کہ قارئین کو معلوم ہے کہ ہر شمارے میں حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات میں سے مختلف مکاتیب شریفہ اور ان کی تشریح کو کتابچے میں شامل کیا جاتا ہے اسی تسلسل کو باقی رکھتے ہوئے اس بار بھی حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف مکاتیب شریفہ کو شامل کیا گیا ہے۔ گزشتہ شمارے میں درس نمبر 15 کو شامل کیا گیا تھا جس میں مکتوب نمبر 210 کے بارے میں بات چل رہی تھی، جس میں یہ فرمایا گیا تھا کہ سلوک سے اصل مقصود غیبی صورتوں اور انوار کا مشاہدہ نہیں ہے۔ اس شمارے میں درس 16 کو شامل کیا گیا ہے جس میں **"کلمات شطحیّات کہنے کا جواز اور عدمِ جواز"** کے بارے میں مفصل گفتگو کرنے کے بعد ایک اور اہم موضوع **"عشقِ مجازی کی حرمت اور ممانعت"** کے بارے میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات میں سے درس نمبر 16 شامل کیا گیا ہے جس میں نماز کے بارے میں بتایا کہ نماز کے لئے طہارت کے سلسلے میں جس طرح ظاہری اعضاء کا نجاست سے پاک کرنا ضروری ہے اسی طرح باطنی نجاست یعنی برے اخلاق مثلاً حرص، غرور، بغض اور جو اس طرح کی بری عادتیں ہوں سے پاک وصاف کرنا بھی ضروری ہے۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ شمارۂ ہذا کا بغور مطالعہ فرمائیں اور اپنی کیفیات و آراء سے مطلع فرمائیں۔ اللہ کریم ہماری کامل اصلاح فرمائے اور ہمیں دائمی رضا سے نوازے۔ آمین۔

سید شبیر احمد کاکاخیل عفی عنہ

حمدِ باری تعالیٰ

خالقِ حسن و کمال، لا الہ الا اللہ
کیا ہو پھر اس کا جمال، لا الہ الا اللہ

تھوڑا سا حُسنِ ازل کا تو تصور کر لو
دل اس کے ذکر کی روشنی سے منور کر لو

جو گند دنیا کی محبت کا ہے باہر کر لو
وعدہ جو یومِ الست میں کیا ہے پھر کر لو

وہی ہے ہادی و نور، لا الہ الا اللہ
وہی صبور و شکور، لا الہ الا اللہ

عطا کیا ہے ہمیں جسم یہ پیارا پیارا
ہمیں دیکھنے کی دی طاقت اور ہمیں سُنوایا

نظر دوڑائی جس طرف اس کا کرم پایا
ہمارے واسطے کائنات کو پیدا فرمایا

وہی ستار و غفار، لا الہ الا اللہ
وہی قہار و جبار، لا الہ الا اللہ

اس کی تعریفیں ختم ہوں اس کا امکان نہیں
اس کی قدرت پہ تحیر پہ میں حیران نہیں

قدر کرتا ہے، اس کی طرح قدردان نہیں
جو اس کے ذکر سے محروم ہے اس میں جان نہیں

وہ ہے رحیم و کریم، لا الہ الا اللہ
وہ ہے حلیم وحکیم، لا الہ الا اللہ

اس کی قدرت کی کوئی حد نہیں، قادر ہے وہ
اقتدار اس کا ہی سب پر ہے مقتدر ہے وہ

وہی جامع، وہی اول، وہی آخر ہے وہ
وہی توّاب، وہی باطن، وہی ظاہر ہے وہ

وہی والی و ولی، لا الہ الا اللہ
وہی مغنی و غنی، لا الہ الا اللہ

اس پہ سب کچھ عیاں کیوں نہ ہو شہید ہے وہ
لائقِ حمد و ستائش ہے خود حمید ہے وہ

وہی لطیف و خبیر، لا الہ الا اللہ
وہی سمیع و بصیر، لا الہ الا اللہ

کلام: حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل دامت برکاتہم

کتاب: فکرِ آگہی

نعت شریف

قلم مرا خدایا نعت پہ مشغول کر دے
کوشش اخلاص سے ہو اور اسے قبول کر دے

میں کہاں آپ ﷺ کی تعریف کا سرا ہے کہاں
میں یہاں خاک پہ، پہنچے آپ جہاں ہے لامکاں

کہ جبرئیل بھی قاصر ہے پر مارنے سے وہاں
تو اب درود سے رہوں میں یہاں پہ رطب اللساں

آپ کی تعریف کی، تعریف سے قاصر تو ہوں
دل ہے بے چین تو کچھ دیر اس کے ساتھ چلوں

حبیب اللہ ہیں، آپ کے جمال کے کیا کہنے
رسول اللہ ہیں، آپ کے کمال کے کیا کہنے

خاتم الانبیاء ہیں، آپ کے حال کے کیا کہنے
شانِ نبوت کی آپ کی لازوال کے کیا کہنے

فتح کے بعد دشمنوں کو معاف کیسے کیا
فتح کے وقت سر آپ کا رہا جھکا جھکا

کس طرح آپ نے صحابہؓ کی تربیت کی ہے
امت کے ساتھ آپ نے کیسے محبت کی ہے

ہر غلط کام کی کیسے مخالفت کی ہے
چھوٹوں پہ رحم بڑوں کی کیسے عزت کی ہے

آپ ﷺ کو جب قوم نے ہر حال میں آزمایا تھا
آپ ﷺ کو صادق اور امین ہی تو پایا تھا

آپ کی زندگی سب، صدق و امانت کی ہے
آپ نے جذبات کی کس شان سے رعایت کی ہے

پر اس کے ساتھ ہر وقت حق کی حمایت کی ہے
جس کو جو چاہیے تھا اس کو ہدایت کی ہے

آپ نے قرآن پہنچایا اور اس کی تعلیم
دی صحابہؓ کو اور ساتھ حکمت کی تفہیم

میں اگر آپ کی سنت کی برکات دیکھوں
اور صحابہؓ کے، آپ کے، میں اگر حالات دیکھوں

آپ کی آل کے جس وقت کمالات دیکھوں
لازماً آپ کی پیروی میں، میں نجات دیکھوں

سب سے آسان جو رستہ ہے آپ کی سنت
محبوبیت کا ذریعہ ہے آپ کی سنت

حق ہے چاہا جو خدا نے تو آپ نے وہ ہی کیا
آپ کا قول جو بھی ہے آپ کو وحی ہوا

رب کو محبوب ہے، کرے دل سے جو آپ کی اتباع
خود بخود دل سے برآمد ہو مرے صلِ علیٰ

آپ ﷺ کی تعریف، آپ کی نعت، قرآن کا حصہ
آپ ﷺ کی ذات سے محبت ہے ایمان کا حصہ

جس کو اللہ سے محبت ہو اور آپ ﷺ سے نہ ہو
کیا یہ ممکن ہے؟ جو مؤمن ہے خود ہی سوچو

رحمت خدا سے جب چاہو آپ ﷺ پہ درود بھیجو
کامیابی ہو گر مقصود آپ ﷺ کے رستے پہ چلو

مختصر یہ خدا کے بعد بزرگ تر آپ ﷺ ہیں
ہر خوش نصیب کے شبیرؔ، دل کے بس افسر آپ ﷺ ہیں

کلام: حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل دامت برکاتہم

کتاب: فکرِ آگہی

عارفانہ کلام

کلامِ سعدی (فارسی)

گلے خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دستے محبوبے بدستم

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بوئے دل آویز تو مستم

بگفتا من گلِ ناچیز بودم
ولیکن مدتے با گل نشستم

جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہما خاکم کہ ہستم

کلامِ سعدی کا ترجمہ

اک دن ملی حمام میں مٹی اک خوشبودار
محبوب کے ہاتھوں سے نرم نرم مزیدار

پوچھا کہ کیا تو مشک ہے عنبر ہے بتا دے
خوشبو سے تری دل مرا بس مست ہے سرشار
وہ کہہ اٹھی ناچیز ہوں مٹی ہی ہوں فقط
مدت سے ایک پھول کی صحبت ہے اختیار
مٹی ہی ہوں کچھ بھی نہیں جو بھی ہوں وہی ہوں
ہیں مجھ پہ ہم نشین کے جمال کے آثار
شبیر نے صحبتِ صالحین کے لئے یہ
سعدی کا جو بیاض ہے اس سے چن لئے اشعار

کلام: حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل دامت برکاتہم

کتاب: نورِ معرفت

مطالعہ سیرت بصورتِ سوال

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

یہ ہمارا سیرت سے متعلق سوالات اور جوابات کا سلسلہ ہے۔ سوال و جواب کے سلسلے پر الحمد للہ اللہ پاک کی طرف سے ایک بشارت بھی آئی۔ مفتی زرولی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے دوست تھے، ہمارے گاؤں کے تھے، ان کے ساتھ ہمارا بڑا اچھا تعلق تھا، آنا جانا بھی تھا۔ ہم ان کے جنازے میں نہیں پہنچ سکے، کیونکہ وہ کراچی میں تھے اور ہم یہاں راولپنڈی میں تھے۔ وفات کے چار پانچ دن بعد مجھے خواب میں نظر آئے، مسکرا رہے تھے، اور فرمایا کہ آپ جو سوالوں کے جوابات دیتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ الحمد للہ۔ جو شخص فوت ہو جائے اور عالم بھی ہو، تو اس کی بات بشارت ہوتی ہے۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ یہ بشارت سیرت کے متعلق سوالوں کے بارے میں ہے یا پیر کے دن جو ہمارے ہاں سالکین کے سوالوں کے جواب ہوتے ہیں، اس کے بارے میں ہے۔ لیکن بہر حال بشارت تو ہے۔

سوال:

حضرت ام المؤمنین صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ اعتکاف میں تھے۔ میں رات کو آپ ﷺ کی زیارت کے لئے گئی اور آپ ﷺ سے باتیں کر کے واپس آنے لگی۔ آپ ﷺ میرے ساتھ مجھ کو گھر پہنچانے کے لئے ہو لئے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ

عنہا کا مکان اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے احاطہ میں تھا۔ اتنے میں انصار کے دو آدمی نمودار ہوئے۔ انہوں نے جب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، تو تیزی کے ساتھ آگے بڑھے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ٹھہرو، میرے ساتھ صفیہ (رضی اللہ عنہا) ہے۔ وہ عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! (ﷺ) یہ آپ کیا فرماتے ہیں! ارشاد فرمایا کہ شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے، میں اس بات سے ڈرا کہ کہیں تمہارے دلوں میں خیالِ فاسد، یا فرمایا: شیطان کوئی بات نہ ڈال دے۔ یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ آپ ﷺ کے اس فرمان کے مطابق ہم دوسرے مسلمانوں کو اپنے متعلق بدگمان ہونے سے کیسے بچاسکتے ہیں؟

جواب:

یہ ایک اہم اصول ہے کہ اپنی طرف سے کوشش کرنی چاہئے کہ کسی تہمت والی جگہ میں نہ جائیں، جس کے ذریعے سے ہم پر کوئی تہمت لگ سکتی ہو، اس سے ہم بچیں۔ یہ بہت اہم ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے سے یہ ہوگا کہ مثلاً: کوئی شخص جو دین کا کام کرنے والا ہے، تو شیطان اس تاک میں ہوتا ہے کہ اس کے خلاف کوئی ایسی بات بنالے اور مشہور کردے، جس کے ذریعے وہ لوگوں کو اس سے متنفر کردے۔ ہماری پشتو میں کہتے ہیں:

’’منګې مات شو که مات نه شو دز ئې لاړو‘‘۔

یعنی گھڑا ٹوٹا یا نہیں ٹوٹا، لیکن اس کی آواز تو گئی۔ لہٰذا اگر کوئی ایسی بات مشہور ہوجائے، تو پھر اس کو صاف کرنا بڑا مشکل ہوجاتا ہے، پھر پتا نہیں، کتنی باتیں بنتی ہیں اور کتنے مسائل بن جاتے ہیں۔ لہٰذا کھری بات کرنی چاہئے اور بہت محتاط رہنا چاہئے کہ کوئی ایسا کام نہ ہو، جس پہ کسی کو بات

کرنے کا موقع ملے۔ کیونکہ اس سے بہت نقصان ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ ایک معمولی سی بات ہوتی ہے، لیکن اس کے ذریعے سے لوگ شک میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور کسی بزرگ کے فیض سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہتے ہیں:

''اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّهْمَةِ'' یعنی تہمت والی جگہوں سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ یہ بہت ضروری ہے۔ لہٰذا اگر ہم اس بات کا خیال رکھیں، تو بہت زیادہ حفاظت ہو جاتی ہے۔ آپ ﷺ چونکہ نبی تھے اور آپ ﷺ ان تمام باتوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جانتے تھے، اس لئے آپ ﷺ نے ان دو صحابہ کو بچانے کے لئے کہ کہیں ان کو نقصان نہ ہو، اس لئے معاملے کو واضح کر دیا۔ کیونکہ آپ ﷺ کو تو کوئی نقصان نہیں ہونا تھا، آپ ﷺ کے بارے میں تو یہود پتا نہیں، کیا کیا باتیں کرتے، منافقین بہت باتیں کرتے تھے۔ بہر حال ان کو نقصان ہو جاتا۔ بعض دفعہ شیطان کوئی بات ڈال دیتا ہے، یہ اس کے لئے ایک مثال ہے۔

ایک صحابی تھے، (اللہ تعالیٰ ہمیں برے انجام سے بچائے۔) بعد میں وہ مرتد ہو گئے تھے، کاتبِ وحی تھے، کاتبِ وحی ہونا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ آپ ﷺ پہ وحی آ رہی تھی، اور یہ آیات نازل ہو رہی تھیں:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۠ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾

(المؤمنون:12-14)

جیسے بعض دفعہ ہوتا ہے کہ ایک شخص کے قلب پہ کوئی بات آرہی ہو، تو دوسرے کے قلب پہ بھی منعکس ہو جاتی ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ پہ یہ وحی آرہی تھی، تو وہ ان کے قلب پر بھی منعکس ہو گئی۔ (یہ کتنا بڑا مقام تھا) ابھی آپ ﷺ یہ آیات پڑھ ہی رہے تھے کہ انہوں نے کہا:

﴿**فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ**﴾ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں یہی ہے، یہ لکھ دو۔ ان کے دل میں شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ یہ تو میرے دل میں بات آئی ہے، یہ وحی کیسے ہو گئی۔ یہ تو میں نے کہا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! یہی وحی ہے۔ اس وجہ سے وہ مرتد ہو گئے۔ مگر فتحِ مکہ کے موقع پر دوبارہ اسلام قبول کر لیا تھا اور آپ ﷺ نے ان کی معافی قبول فرما لی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کوئی بھی بات دل میں ڈال سکتا ہے، اس کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے، وہ اس کا ماہر ہے۔ لہٰذا ہمیشہ شیطان سے پناہ مانگنی چاہئے:

''**اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ**''۔ اس کا بہترین علاج ''**لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ**'' ہے۔

ہمارے شیخ حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے فرمایا تھا کہ ہندوؤں کی جگہ پہ یا میوزک کی جگہوں پر یا جہاں پر فسق و فجور عام ہو، ایسی جگہوں پر سے گزرو، تو ''**يَا هَادِيُ يَا نُوْرُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ**'' پڑھا کرو۔ ورنہ وہاں کے شیاطین تمہیں پڑ جائیں

گے۔ اور یہ ہمارا تجربہ تھا۔ ہم سکول سے جا رہے ہوتے تھے، تو وہیں راستے میں دو سینما ہال ہوا کرتے تھے۔ جب ہم یہ پڑھ لیتے، تو بچ جاتے۔ اور اگر نہیں پڑھتے، تو خیال آتا کہ ذرا پوسٹر کو تو دیکھ لیں۔ وسوسہ یہی ہوتا ہے کہ ذرا پوسٹر کو تو دیکھیں۔ اور جب پوسٹر کو دیکھ لیا، تو پھر آہستہ آہستہ اندر ہی جانا ہوتا ہے۔ یہ سارا نظام شیطان کا ہے۔ اس وجہ سے جہاں پر بھی اس قسم کے حالات ہوں، وہاں یہ پڑھنا چاہئے۔ بلکہ صوفی اقبال صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بعد میں یہ بات بتائی کہ اس وقت چونکہ گمراہی بہت زیادہ پھیل رہی ہے، اس گمراہی سے بچنے کے لئے بھی یہ دعا ''**يَا هَادِيُ يَا نُوْرُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ**'' بہت زیادہ پڑھنی چاہئے۔

اللہ جل شانہ ہم سب کی حفاظت فرمادے۔ کیونکہ فتنوں کا دور ہے، اس فتنوں کے دور سے ہم بھی بچ جائیں، ہمارے بچے بھی بچ جائیں۔ کتنے بڑے فتنے (موبائل) ہماری جیبوں میں پڑے ہیں، پتا نہیں کہ اس کے ذریعے سے کون گمراہ ہو جائے، کس طرح گمراہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اصلاحی بیان (صحبت شیخ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ہم اللہ جل شانہٗ کا بہت شکر ادا کرتے ہیں کہ اللہ پاک نے ہمیں اصلاح کی نیت سے اس اصلاحی جوڑ میں شرکت کرنے کی توفیق دی۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جب اللہ پاک کی نعمت کا شکر ادا کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس نعمت کو اور بڑھا دیتا ہے۔ اگر ہم اس پر شکر کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے اور مواقع نصیب فرمائیں گے۔

جیسا کہ ابھی آپ لوگوں نے سنا کہ صحبت کا اثر انسان میں رچ بس جاتا ہے۔ صحابہ کرام آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی صحبت میں رہتے تھے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا رنگ ان پہ چڑھ گیا تھا۔

ذرا غور کریں سورج ایک ہی ہے، لیکن جب اس کی روشنی درختوں پہ پڑتی ہے، درختوں کے پتوں میں کلوروفل ہوتا ہے اور پانی جڑوں سے اوپر جا چکا ہوتا ہے، ادھر سے سورج کی روشنی اس کے ساتھ ملتی ہے۔ ان تین چیزوں کے ملاپ سے پھل اور پھول بنتے ہیں۔ یہی سورج کی روشنی کسی ٹھنڈی جگہ پہ پڑے تو وہ گرم ہو جاتی ہے۔ یہی سورج کی روشنی مختلف قسم کی چیزوں کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ یہ سولر سیلز کے ذریعے بجلی بھی پیدا کرتی ہے پھر بجلی سے مختلف کام لئے جاتے ہیں۔ اب سورج کی روشنی وہی ایک ہے لیکن اس سے کئی کام لئے جاتے ہیں۔ ایک ہی روشنی سے کئی کام لینا اس لئے ممکن ہو پاتا ہے کہ اللہ پاک نے چیزوں کے اندر مختلف صلاحیتیں رکھیں ہیں،

جب سورج کی روشنی ان چیزوں پر پڑتی ہے تو ان کی صلاحیتیں اجاگر ہو جاتی ہیں۔

یہی مثال صحبت کی ہے۔ صحبت کے ذریعے انسان کے اندر پہلے سے موجود مختلف صلاحیتیں اجاگر ہو جاتی ہیں۔ آپ ﷺ کی صحبت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صدق ملا، یہ آپ ﷺ کی صحبت کی برکت تھی۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فراست اور دور اندیشی ملی، یہ بھی آپ ﷺ کی صحبت کی برکت تھی۔ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جود و سخا ملی، وفا ملی، قربانی ملی، حیا ملی، یہ بھی آپ ﷺ کی صحبت کی برکت تھی۔ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم میں برکت ہوئی، شجاعت کے کارنامے ان سے صادر ہوئے، یہ بھی آپ ﷺ کی برکت تھی۔ تمام صحابہ کرام کے اندر جتنی صلاحیتیں تھیں ان کو آپ ﷺ کی صحبت سے جلا ملی۔

صحبتِ صالحین و مشائخ ایسی چیز ہے جس سے انسان کی صلاحیتیں نکھر جاتی ہیں، جس چیز کے لئے اسے اللہ نے پیدا کیا ہوتا ہے اس سے وہ کام لے لیا جاتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو یعنی کسی آدمی میں صلاحیتیں تو ہوں مگر صحبت صالحین میں نہ آئے تو اس کی صلاحیتیں پھر نہیں نکھرتیں اس لئے نفس امارہ کی وجہ سے غلط استعمال ہو سکتی ہیں۔ مثلاً آپ ﷺ نے دو عمرین میں سے ایک کو مانگا تھا کہ اے اللہ! ان دو میں سے ایک عمر کے ذریعے سے اسلام کو قوت عطا فرما۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کیا اور اسلام کے روشن ستارہ بن گئے اور ابو جہل مسلمان نہیں ہوا تو وہ کفر

کا ایک بہت گہرا گڑھا بن گیا۔ معلوم ہوا کہ اگر ابو جہل اسلام قبول کر کے نبی پاک ﷺ کی صحبت میں آ جاتا تو اس کی صلاحیتیں بھی اجاگر ہو جاتیں، جس کا اسے خود بھی فائدہ ہوتا اور باقی سب کو بھی فائدہ ہوتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ جو صحبت والا راستہ ہے اس سے بات آگے بڑھتی ہے۔ اس کے بعد یہ سمجھیں کہ صحبت حاصل کرنے کے بعد اپنے آپ سے حجابات کو ہٹائیں۔ حجابات کی مثال ایسی ہے جیسے کہیں پر سولر سیل لگا ہو اور اس پر سورج کی روشنی پڑ رہی ہو تو سورج کی روشنی میں صلاحیت ہے کہ اس سے بجلی پیدا ہو سکتی ہے، اس سیل کے اندر وہ صلاحیت ہے کہ وہ سورج کی روشنی کو بجلی میں تبدیل کر کے سٹور کر سکتا ہے، لیکن اگر اس کے اوپر مٹی پڑ جائے یا بادل آ جائیں تو پھر اس سے وہ کام نہیں ہو سکے گا جس کے لئے یہ بنایا گیا ہے، اس کی صلاحیت سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکے گا۔ ایسی چیزوں کو حجابات کہتے ہیں۔ صحبت کے فوائد کو صحیح معنوں میں حاصل کرنے کے لئے ان حجابات کو دور کیا جاتا ہے اس کے لئے بڑی محنت ہوتی ہے۔ دیکھو سولر سیل کے اوپر پانی کے ذریعے اسے صاف کرنے کا پورا واشنگ سسٹم نصب کیا جاتا ہے تاکہ اس کے اوپر مٹی وغیرہ نہ جمے، یہ دراصل اس کے حجابات کو دور کیا جاتا ہے۔ اسی طرح انسانوں میں مختلف افراد کے اپنے اپنے حجابات ہوتے ہیں۔ کسی کا افسری کا حجاب ہوتا ہے، کسی کا خاندان کا حجاب ہوتا ہے، کوئی اپنے آپ کو عقل میں بہت یکتا سمجھتا ہے یہ اس کا حجاب ہوتا ہے۔ مشائخ کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ان حجابات کو دور کریں اور یہ کام بھی صحبت اور تعلق سے ہو سکتا ہے۔ یہ ساری چیزیں فطرتی ہیں اور اس ذریعے سے لوگوں کی اصلاح ہوتی رہتی ہے۔

اصلاح کا ضروری ہونا قرآن پاک اور حدیث شریف سے ثابت ہے لہٰذا ہر مرد و عورت پر اپنی اصلاح کرنا لازم ہے۔ پھر اصلاح کے تین طریقے ہیں ان تینوں میں سے جو کسی کے نصیب میں آجائے اس کے لئے وہی طریقہ ٹھیک ہوتا ہے۔ پہلا طریقہ اخیار کا ہے۔ اخیار کا طریقہ یہ ہے کہ انسان خود اس بات کو سمجھ لیتا ہے کہ مجھے اصلاح کی ضرورت ہے، مجھے اپنے نفس کی اصلاح کرنی ہے، اپنے دل کو پاک صاف کرنا ہے اس کے لئے وہ باقاعدہ اپنی قوتِ ارادی سے علم حاصل کرتا ہے، اپنی قوت ارادی سے اس پر عمل کرتا ہے، شریعت پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور نفس کی مخالفت کو توڑتا ہے کبھی اس میں کامیاب ہو جاتا ہے اور کبھی کامیاب نہیں بھی ہو پاتا کیونکہ اس کے پاس اس کا تجربہ نہیں ہوتا، اس وجہ سے بعض چیزوں کو غلط بھی سمجھ سکتا ہے بعض چیزوں میں الجھ بھی سکتا ہے۔ اخیار کے طریقے میں بہت کم لوگ کامیاب ہوتے ہیں۔ اس میں کوشش بہت سارے لوگ کرتے ہیں، اس میں مشغول بہت سارے لوگ ہوتے ہیں، لیکن کامیاب لوگوں کی تعداد کم ہوتی ہے۔ اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے کہ انہیں اس راستے کے نشیب و فراز کا تجربہ نہیں ہوتا، وہ ہر بات نئے تجربے کے طور پہ کرتے ہیں، اس لئے کم ہی کامیاب ہوتے ہیں۔ ایک بہت بڑی دلیل ہے جو ان کو سمجھ نہیں آتی۔ وہ دلیل یہ ہے کہ فالٹی میٹر (faulty meter) کسی کو صحیح ریڈنگ (reading) نہیں دیتا۔ جس شخص کی اصلاح نہیں ہوئی اس کی مثال فالٹی میٹر کی سی ہے وہ اپنے بارے میں کیسے صحیح ریڈنگ کرے گا۔ ظاہر ہے اس کی ریڈنگ فالٹی ہو گی۔ اس کی کوشش بھی فالٹی ہو گی۔ لہٰذا اس کا رزلٹ بائے چانس (bychance) تو ٹھیک آ سکتا ہے لیکن اس میں بہت زیادہ امکان اس چیز کا ہوتا ہے کہ اس میں کوئی فالٹ ہو گا۔ اس وجہ سے اس میں کامیابی کم

لوگوں کو ہوتی ہے لیکن اس میں شامل زیادہ لوگ ہوتے ہیں۔ کیونکہ کسی کی پابندی ہر ایک برداشت نہیں کر سکتا۔ بعض لوگ اس کو ذہنی غلامی سمجھتے ہیں، بعض لوگ اس کو اندھی تقلید سمجھتے ہیں اور نہ جانے کیا کیا عنوانات دیئے ہوئے ہیں۔

ہمارے ایک عرب ساتھی ہیں، ایک مرتبہ ان کے ساتھ تصوف کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ ماشاء اللہ اس نے تصوف کی اتنی زیادہ کتابیں پڑھی تھیں کہ میں حیران ہوگیا، میں نے سوچا یا اللہ! یہ کیا ماجرا ہے، ایسی پرانی پرانی متقدمین کی کتابیں ان کے مطالعہ سے گزر چکی تھیں جن کا نام بھی عام لوگوں کو معلوم نہیں ہو گا۔ وہ چونکہ عرب تھے، عربی میں اس بارے میں کتابیں تو بہت ہیں، انہوں نے وہ سب پڑھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے مجھے بہت ساری چیزوں کے بارے میں بتایا تو میں ان کے وسیع مطالعہ سے بڑا متاثر ہوا۔ لیکن اتنے وسیع مطالعہ اور اتنی عمیق معلومات کے باوجود وہ ایک مقام پہ آکر پھنس گئے۔ مجھے کہنے لگے: "شیخ میں اپنے اور اللہ کے درمیان کسی اور کو برداشت نہیں کر سکتا۔"

میں نے فوراً کہا: "شیخ! کم از کم ایک کو تو برداشت کرنا ہو گا۔ وہ حقیقت ہے"۔

اس نے کہا: "کون؟"

میں نے کہا: رسول اللہ ﷺ۔

اس نے فوراً کہا: **نَعَمْ**۔

یعنی یہ بات تو وہ سمجھ گیا کہ نبی ﷺ کے بغیر تو کوئی چارہ نہیں ہے کیونکہ اللہ تک پہنچنے کا واحد راستہ ہی یہی ہے ورنہ آپ کو کیا پتا کہ اللہ مجھ سے کیا چاہتا ہے اور آپ کو کیا پتا کہ آپ کا اللہ تک

پہنچنے کا کون سا طریقہ ٹھیک ہے اور کون سا غلط ہے۔ یہ تو آپ ﷺ ہی سے معلوم ہو گا۔

پھر میں نے کہا: رسول اللہ ﷺ تک پہنچنے کے لئے آپ ﷺ کے صحابہ کرام کو ماننا پڑے گا، ان کا اقرار کرنا پڑے گا۔

یہ سن کر اس نے جواب دیا: نَعَمْ۔

کیونکہ یہ تو حدیث شریف میں موجود ہے: ”مَا اَنَا عَلَيْهِ وَ اَصْحَابِيْ“ (سنن ترمذی: 2641)۔

پھر میں نے کہا: صحابہ تک پہنچنے کے لئے آپ کو تین گروہوں کو ماننا پڑے گا۔ محدثین، فقہاء اور صوفیا۔ محدثین اخبار کے لئے۔ فقہا استنباطِ مسائل کے لئے اور صوفیاء شریعت پر عمل کروانے کے لئے۔

محدثین آپ کو بتائیں گے کہ آپ ﷺ نے کیا فرمایا، کیا کیا اور آپ ﷺ نے کس چیز کو کرنے دیا اور کس چیز سے روک دیا۔ ان تینوں اقسام کو قولی حدیث، فعلی حدیث اور تقریری حدیث کہتے ہیں۔ ان کو اخبارات کہتے ہیں، احادیث بھی کہتے ہیں۔ محدثین کی ضرورت اس لئے ہے کہ آپ کو کم از کم علم ہو جائے کہ آپ ﷺ نے کہا کیا ہے، کیا کیا ہے، کس چیز کو کرنے دیا ہے کس چیز سے روک دیا ہے۔

انہوں نے جواب دیا: نَعَمْ۔

میں نے کہا: فقہاء کی ضرورت اس لئے کہ وہ ان ہی اخبار اور احادیث سے مسائل معلوم

کر کے عام لوگوں کو بتاتے ہیں۔ کیونکہ احادیث و اخبار اور آثار میں چیزیں متفرق ہوتی ہیں اور مختلف جگہوں پر پھیلی ہوتی ہیں۔ قرآن میں بھی کوئی مضمون ایک ہی جگہ نہیں ہے بلکہ مختلف جگہوں پہ ہوتا ہے اسی طرح مختلف احکام سے متعلق احادیث شریفہ مختلف مواقع، مختلف کتابوں اور مختلف جگہوں پہ ہوتی ہیں۔ فقہاء کا کام یہ ہوتا ہے کہ ان احادیث شریفہ سے گزر کے ان کو سمجھ کر قرآن کی روشنی میں مسائل اخذ کر لیں۔ انہوں نے یہ خدمت انجام دی ہوتی ہے اور ماشاء اللہ سب لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

صوفیاء کی ضرورت اس لئے ہے کہ اول الذکر دونوں گروہوں کے حضرات آپ کو علم دیتے ہیں اور صوفیاء کرام آپ کو عمل پہ لاتے ہیں۔ علم پر عمل کرنے میں دو رکاوٹیں ہمیشہ رہتی ہیں۔ ان رکاٹوں کے وجود اور ثبوت سے آپ انکار نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے بارے میں قرآن بھی بتاتا ہے حدیث بھی بتاتی ہے۔ ایک رکاوٹ شیطان ہے دوسری رکاوٹ نفس ہے۔ صوفیا یہ بتاتے ہیں کہ آپ عملی طور پر شیطان سے کیسے بچ سکتے ہیں، نفس کے شر کو کیسے دور کر سکتے ہیں، یہ کس طریقے سے ہو سکتا ہے۔ صوفیاء کرام یہ سارے مراحل طے کروا کے عمل پہ لاتے ہیں۔

انہوں نے یہ سن کر کہا: نَعَمْ۔

پھر میں نے کہا: فقہا اور محدثین کی بات تو آپ تک علما پہنچا دیں گے جبکہ صوفیا کی بات آپ تک آپ کا شیخ پہنچائے گا۔ لہٰذا آپ کا شیخ آپ کے لئے تربیت کا ذریعہ ہو گا اور یہ دونوں حضرات تعلیم کے ذریعے ہوں گے۔

یہ آخری بات سن کر خاموش ہو گئے۔ باقی ساری باتیں مان لیں لیکن یہاں پر رک گئے۔ خیر

"وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ" کے مصداق کے تحت ہمارا کام تو بس پہنچانا ہے اس کے بعد فیصلہ ہر ایک کا اپنا اپنا ہوتا ہے ذمہ داری اپنی اپنی ہوتی ہے۔ چند دن بعد ہمارے پاس خانقاہ تشریف لے آئے، بیعت ہوئے اور ذکر لے لیا، ماشاء اللہ اس راستے میں چل پڑے۔

دیکھو اس کو الجھن اس چیز میں تھی کہ اللہ اور میرے درمیان کوئی نہیں آنا چاہیے۔ حالانکہ ملانے والا کوئی تو ہونا چاہئے۔ ملانے والے کے بغیر چارۂ کار نہیں ہے۔ ایسا کوئی ڈھونڈنا پڑتا ہے اس کے پاس جانا پڑتا ہے۔ ہم یہاں پر جوڑ کی جو activity کر رہے ہیں، اسی طرح مختلف مشائخ کے پاس لوگ جاتے ہیں اور اصلاح کرواتے ہیں تب ان کی شریعت پر عمل میں آنے والی رکاوٹیں دور ہوتی ہیں۔ شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے گھر میں شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی حیثیت کے ساتھ نہیں پیدا ہوئے تھے، بلکہ بعد میں بنے تھے۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی بعد میں بنے تھے، یہ کسی کے پاس گئے تھے۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ بھی کسی کے پاس گئے تھے۔ اسی طرح ہمارے بڑے بڑے حضرات کسی نہ کسی کے پاس گئے تھے، اس طرح گھر میں تو نہیں بنے تھے۔ اس کا طریقہ ہی یہی ہے.

ہمارے دادا احمد آتار رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے، ان کے دور میں باقاعدہ یہ رواج تھا کہ لوگ علم حاصل کرنے کے بعد مشائخ کے پاس قافلوں کی صورت میں جاتے تھے۔ تلاش کرتے تھے کہ کوئی شیخ کامل مل جائے جن کے ہاتھ پہ ہم بیعت کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں۔ یہ بھی ایک قافلہ کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ راستے میں ایک جگہ قافلہ نے پڑاؤ کیا۔ وہاں دیکھا کہ ایک آدمی جس کا رنگ کالا ہے اور بظاہر کوئی بڑی ہستی معلوم نہیں ہوتا، وہ گائیں چرا رہا ہے۔ وہ ایک درخت کے نیچے

ستانے کے لئے لیٹ گئے، یہ بھی ان کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ آپس میں مشورہ کر رہے ہیں کہ اب اس کے بعد کہاں جانا ہے اس گاڑی بان نے ان کی باتیں سنیں اور پوچھا کہ آپ لوگ کس مقصد کے لئے جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا ہم کسی سے بیعت ہونا چاہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: اس وقت اس زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے مجھ سے زیادہ بڑا ولی کوئی نہیں ہے۔

عموماً تو اللہ والے ایسے دعوے نہیں کیا کرتے لیکن بعض لوگوں کی تشکیل ہوتی ہے انہیں پھر اظہار کرنا پڑتا ہے۔ جیسے شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بعض مواقع پہ اظہار کیا ہے۔

خیر قافلہ والوں نے کہا کہ اگر آپ واقعی ایسی ہستی ہیں تو پھر ہم آپ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ سب نے ان کے ہاتھ پہ بیعت کر لی۔ میرے دادا عالم بھی تھے اور سید بھی تھے، ان کو ذرا تردد ہوا لیکن لوگوں کی دیکھا دیکھی بیعت ہو گئے۔ جو جو لوگ بیعت ہوئے وہ سب حضرت کی خانقاہ میں چلے گئے اور وہیں قیام پذیر ہو گئے۔ جو اخلاص کے ساتھ بیعت ہوئے تھے ان کو جلدی جلدی فائدہ ہونے لگا اور میرے دادا کے دل میں چونکہ ذرا تردد تھا تو یہ پیچھے رہ گئے۔ کچھ عرصہ بعد جب انہوں نے دوسروں کی ترقی دیکھی تو محسوس کیا کہ میں نے غلطی کی ہے۔ اس ولی اللہ سے تعلق درست کرنا چاہا لیکن کام نہیں ہوا۔ پھر پیرانی صاحبہ سے درخواست کی کہ میری سفارش کر لیں میری غلطی تھی لیکن اب مجھے سمجھ آ گئی ہے، آپ حضرت سے میری سفارش کریں کہ مجھے قبول فرمائیں۔ انہوں نے بھی سفارش کی لیکن پھر بھی کام نہیں ہوا۔ یہ بہت پریشان ہو گئے۔ ایک رات انہوں نے ایسا کیا کہ اپنے آپ کو چٹائی میں لپیٹ کر اس راستے پہ لیٹ گئے جس راستے سے حضرت تہجد کی نماز پڑھنے کے لئے جاتے تھے۔ حسب معمول وہ تہجد کی نماز پڑھنے کے لئے نکلے، چلتے چلتے

ٹھوکر لگی، دیکھا تو کوئی چٹائی ہے جس میں کوئی لپٹا ہوا ہے۔ پوچھا: کون؟ انہوں نے اندر سے آواز دی: احمد جو علمیت اور سیادت کے غرے میں ابھی تک آپ کے فیض سے محروم ہے۔ حضرت کو یہ سن کر اور دیکھ کر ان پہ ترس آگیا اور پیار آگیا۔ ان کو چٹائی سے نکال کر گلے لگایا، مسجد لے گئے پھر ان کی تربیت کا سلسلہ شروع ہو گیا چونکہ ان میں صلاحیت بھی تھی عالم بھی تھے، ماشاء اللہ بہت تیزی کے ساتھ ترقی کی۔ پھر حضرت نے ان کو اپنا خلیفہ بنا کر واپس بھیجا۔

اب اس واقعہ میں غور کریں اور دیکھ لیں کہ ان کے لئے رکاوٹ کون سی چیز بنی۔ وہ سمجھتے تھے کہ بھلا یہ آدمی ولی کیسے ہو سکتا ہے رنگ کا بھی کالا اور کام بھی گائیں چرانے کا ہے۔ لیکن یہ تو اللہ کی دین (عطا) اور اس کی تقسیم ہے جس کو چاہے جو مرتبہ عطا کرے۔

بہرحال یہ سلسلہ پرانا چلا آرہا ہے اسی سے لوگ بنتے رہے ہیں۔ ایک طریقہ میں نے اخیار کا بتایا۔ اس طریقہ میں انسان اپنے ارادے کے ساتھ علم حاصل کرتا ہے پھر اس پر عمل کرتا ہے اور اپنی اصلاح بھی کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اس میں بہت کم لوگ کامیاب ہوتے ہیں اگرچہ اس پہ آتے زیادہ لوگ ہیں۔ زیادہ تر لوگ یہی چاہتے ہیں کہ ہمیں کسی کا دست نگر نہ ہونا پڑے۔

دوسرا طریقہ ابرار کا ہے۔ ابرار وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی اصلاح کے لئے کسی کو چن لیتے ہیں ان کے تجربے کی بنیاد پر اور ان کے سلسلے کی بنیاد پر۔ چونکہ ان کو تجربہ بھی حاصل ہوتا ہے اور سلسلے کی برکت بھی ہوتی ہے لہٰذا یہ طریقہ بے شک تھوڑے لوگ اختیار کرتے ہوں لیکن اس میں کامیاب زیادہ لوگ ہوتے ہیں۔ اس طریقہ میں کامیابی کا تناسب (Success rate) اخیار کے مقابلے میں نسبتاً زیادہ ہے۔

اخیار کو ہر کام میں اپنی قوتِ ارادی استعمال کرنی پڑتی ہے۔ وہ نماز پڑھتے ہیں پھر بھی قوت ارادی، روزے رکھتے ہیں پھر بھی قوت ارادی، کوئی اور کام کرتے ہیں پھر بھی قوت ارادہ۔ وہ ہر چیز میں قوت ارادی استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ ابرار کو صرف ایک چیز میں اپنی قوت ارادی استعمال کرنا پڑتی ہے کہ وہ اپنے شیخ کی بات مانیں۔ اس کے علاوہ انہیں کسی اور چیز کے اندر قوت ارادی کی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ انہوں نے بس شیخ کی بات ماننا ہوتی ہے، جو وہ کہے گا اس پر وہ عمل کریں گے۔ بالفاظ دیگر ایک چیز میں ابرار کو بھی قوت ارادی استعمال کرنا پڑتی ہے، لیکن تیسرا طبقہ ایسا ہے جنہیں اپنی قوات ارادی بالکل استعمال نہیں کرنی پڑتی۔

تیسرا طریقہ شطاریہ کا ہے۔ شطاریہ انہیں کہتے ہیں جو اپنے شیخ کے عاشق ہوتے ہیں۔ ان کو کسی قوت ارادی کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ چونکہ شیخ کے عاشق ہوتے ہیں اور عاشق تو چاہتا ہی یہی ہے کہ مجھے کچھ بتایا جائے تاکہ میں کروں۔ وہ انتظار میں ہوتے ہیں کہ شیخ کوئی حکم دے اور ہم اسے مانیں۔ اس لحاظ سے ان کی اصلاح کی رفتار سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ اگرچہ اس قسم کے لوگ ہوتے تھوڑے ہیں لیکن جو ہوتے ہیں وہ بہت ہی کام کے ہوتے ہیں اور بہت ہی آگے ہوتے ہیں ان کی ترقی کا کوئی حد و حساب نہیں ہوتا۔ تو یہ تین طریقے ہیں۔ جس میں جو چل جائے اور فٹ ہو جائے اس کے لئے ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ فضل فرمادے تو کام بن جاتا ہے۔

الحمد للہ ہم یہاں اپنی اصلاح کا مقصد لے کر جمع ہوئے ہیں، اس کے علاوہ اس میں کوئی اور مقصد نہیں ہے۔ میں نے کل بھی صاف صاف بتایا تھا کہ ہمارا مقصد یہاں آنے سے سیر سپاٹا نہیں ہے اگرچہ کچھ لوگوں کو صبح میں نے دیکھا کہ وہ سیر سپاٹے کے لئے نکلے ہوئے تھے۔ ان کی بات

نہیں کر رہا جن کو واقعی ڈاکٹر نے بتایا ہے۔ ان کی بات کر رہا ہوں جو اپنے علاقے میں کبھی واک کے لئے نہیں نکلے لیکن یہاں نکلے ہوئے تھے۔ اگر وہاں کوئی واک نہیں کرتا تھا اور یہاں واک کے لئے نکلا تو اس کا مطلب ہے کہ اس کی نیت سیر سپاٹے کی تھی۔ ان چیزوں سے نقصان ہوتا ہے اس پر توبہ کرنی چاہیے کیونکہ یہاں پر ہمارا کام صرف اور صرف اپنی اصلاح کے لئے آنا تھا اس کے علاوہ اور کوئی نیت ہے ہی نہیں۔ ورنہ مری میں سیر کی جگہیں بہت ہیں، ہم تو سیر کے لئے نہیں آئے اگر سیر کے لئے آئے ہوتے تو پھر ان جگہوں پہ جاتے جہاں لوگ سیر کے لئے جاتے ہیں۔ ہمارا کام صرف اور صرف اپنی اصلاح کی نیت تھی۔ اور اس کے لئے ایک مسجد میں اپنے آپ کو، جیسے اعتکاف میں لوگ اپنے آپ کو مقید کر لیتے ہیں، اس طرح مقید کرنا تھا۔ اب اس میں جس کا جس قدر خلوص اور جس قدر تابعداری ہوتی ہے اس کو اتنا فائدہ ہوتا ہے۔ جس کی ان دونوں چیزوں میں جتنی کمی ہوتی ہے اسے اتنا مسئلہ ہوتا ہے اتنی impurity ہوتی ہے۔

پھر ان میں کچھ مقبولین ہوتے ہیں۔ ان مقبولین سے اگر کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو ان کی غلطی کا اثر دور کرنے کے لئے ان پہ غیر اختیاری مجاہدات آتے ہیں۔ ان غیر اختیاری مجاہدات سے وہ سیدھے تو ہو جاتے ہیں لیکن ان کی جان لگ جاتی ہے، وہ مجاہدات اچھا خاصا نچوڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ آسان طریقہ یہ کہ مانتے جاؤ اپنا ذہن اس میں نہ لڑاؤ بلکہ وہی کرو جو بتایا جائے، یہ آسان ترین طریقہ ہے۔ ورنہ ایسا ہوتا ہے کہ اگر اپنی مرضی کی کوئی چیز رکھی ہے تو اللہ کی طرف سے اس چیز سے پاک صاف کرنے کا نظام کام کرتا ہے۔ جتنی impurity ہوتی ہے اس سے پاک صاف کرنے کے لئے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔

لہٰذا آئندہ جب بھی اس قسم کا جوڑ ہو تو جوڑ کو جوڑ سمجھنا چاہیے جوڑ کو سیر سپاٹا نہیں سمجھنا چاہیے اس میں اپنی اصلاح کی نیت ہونی چاہیے کوئی اور نیت نہیں ہونی چاہیے۔ دیکھو چوبیس گھنٹے ہیں ان چوبیس گھنٹوں میں آپ اگر واقعی اس کے ساتھ مخلص ہیں اور اپنی قوت ارادی کو استعمال کرتے ہوئے اپنی توجہ اپنی اصلاح اور خلوص نیت پر مرکوز رکھتے ہیں تو سبحان اللہ آپ کی باقی چیزیں درست ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ لیکن اگر اس میں کوئی کمی کوتاہی رہ جائے تو پھر ایسے لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں کچھ مقبول لوگ ہوتے ہیں اور کچھ ایسے نہیں ہوتے۔ جو ایسے نہیں ہوتے ان کی تو پروا نہیں ہوتی، وہ تو جو جدھر جاتے ہیں جائیں، کوئی مسئلہ نہیں۔ لیکن جو مقبول ہوتے ہیں ان کو پھر مجاہدات سے گزارا جاتا ہے، وہ مجاہدات چونکہ غیر اختیاری مجاہدات ہوتے ہیں اس لئے انسان کو ان سے کوئی چارہ کار نہیں ہوتا، ان سے گزرنا اور برداشت کرنا ہی پڑتا ہے۔

میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں۔ ہمارے حضرت مولانا عزیر گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں، ان کے بھائی تھے مولانا عبدالحق نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ دیوبند میں استاذ تھے۔ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بہت قریبی حضرات میں سے تھے ان کے خادم تھے لیکن ان سے بیعت نہیں ہوئے تھے۔ اخیر میں یہ مولانا عبدالحق نافع صاحب بہت بیمار ہو گئے تھے۔ مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ ان کے ساتھی تھے۔ بنوری ٹاؤن کی بنیاد تینوں حضرات مولانا عبدالحق نافع صاحب، مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا لطف اللہ پشاوری صاحب (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) نے مل کر رکھی تھی۔ یہ پرانے ساتھی تھے، اس تعلق کی نسبت سے حضرت مولانا یوسف بنوری صاحب اکثر ان کی عیادت کے لئے آیا کرتے تھے۔ میں

نے

عبدالحق نافع صاحب کے بیٹوں سے سنا ہے کہ حضرت مولانا یوسف بنوری صاحب اکثر فرماتے تھے کہ ہم نے تو میاں صاحب کو بہت بتایا تھا کہ آسان طریقہ یہ وظائف والا اور ماننے والا ہے لیکن حضرت کی سمجھ میں نہیں آیا، کاش یہ ہماری بات مان لیتے۔

اب دیکھو وہ مقرب تو تھے لیکن اختیاری مجاہدات نہیں کئے تو پھر یہ غیر اختیاری مجاہدات کی تکالیف برداشت کرنی پڑیں۔

اس لئے میں عرض کرتا ہوں کہ ماننے میں خیر ہے۔ اگرچہ بظاہر چھوٹی سی بات لگ رہی ہے لیکن در حقیقت اس کے اثرات بڑے گہرے ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص وہاں پر کرکٹ کھیل رہا ہے یا کوئی اور کھیل کھیل رہا ہے، یہاں سے کوئی گیا اور اسے دیکھنے کھڑا ہو گیا۔ آخر کتنی دیر تک اس نے اس کا لطف اٹھایا ہو گا۔ تھوڑا سا ہی وقت ہو گا لیکن ایک حکم عدولی ہو گئی جس کی وجہ سے کافی پیچھے ہو سکتا ہے۔ ایسی چیزوں سے پھر نقصانات ہوتے ہیں۔ اس لئے ماننے میں خیر ہے بس مانتا جائے جو کہہ دیں اس پہ عمل کرتا جائے۔ آپ چوبیس گھنٹے کے لئے یہاں ہیں تو یہ آپ کا اختیاری مجاہدہ ہے کہ یہیں رہیں اور اپنے معمولات کریں۔ اگر یہ اختیاری مجاہدہ آپ نے کر لیا تو غیر اختیاری مجاہدات سے بچ جائیں گے۔ اگر اختیاری مجاہدات میں رہ گئے تو غیر اختیاری مجاہدات کا سلسلہ پھر بڑا طویل ہوتا ہے۔ یہ بات ایسے ہی بر سبیل تذکرہ آگئی بہرحال آئندہ کے لئے اس سے محتاط رہنا چاہیے۔ یہ بڑے اچھے مواقع ہوتے ہیں ان مواقع کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

تعلیماتِ مجدّدیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اس سے پہلے درس میں مکتوب نمبر 210 کے بارے میں بات چل رہی تھی، جس میں یہ فرمایا گیا تھا کہ سلوک سے اصل مقصود غیبی صورتوں اور انوار کا مشاہدہ نہیں ہے۔

جب تک مقصود متعین نہ کیا جائے، اس وقت تک راستے کا پتا چلانا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ ممکن ہے راستے مختلف ہوں، لیکن مقصود تبدیل نہیں ہوتا، مقصود وہی رہتا ہے۔ مثلاً میں نے لاہور جانا ہو تو چاہے میں موٹروے سے جاؤں، چاہے جی ٹی روڈ سے جاؤں، چاہے ہوائی جہاز پر جاؤں۔ چونکہ میرا مقصود لاہور ہے تو میں لاہور پہنچ جاؤں گا۔ لیکن اگر میرا مقصود ہی متعین نہ ہو تو کوئی بات مستقل نہیں ہو سکتی۔ یہ غیبی صورتیں اور انوار درمیان کی باتیں ہیں، یہ باتیں آتی بھی رہتی ہیں، اور ختم بھی ہوتی رہتی ہیں۔ لہٰذا ان کے پیچھے نہیں پڑنا چاہئے، اصل مقصود کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔

آج کے درس کا آغاز ہم جس موضوع سے کر رہے ہیں وہ ہے:

کلمات شَطحیّات کہنے کا جواز اور عدمِ جواز

بعض بزرگوں سے کسی حال کے پیشِ نظر کچھ ناگفتنی باتیں منہ سے نکل جاتی ہیں، جو ان کے حال کا اثر ہوتا ہے اور جب اس حال سے ان کو افاقہ ہو جاتا ہے، پھر وہ ان باتوں سے رجوع کرتے

ہیں اور ان پر اصرار نہیں کرتے۔ اس کے بارے میں دفتر دوم کے مکتوب نمبر 95 میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

متن:

کلمات شطحیات کہنے کا جواز اور عدم جواز

مشائخ قَدَّسَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَسْرَارَہم میں سے جس نے بھی شطحیات (خلاف شرع باتیں) پکے طور پر کلام کیا ہے اور ظاہر شریعت کے مخالف باتیں کہی ہیں یہ سب کفر طریقت کے مقام میں ہوا ہے جو کہ سُکر اور بے تمیزی کا مقام ہے۔

تشریح:

ذرا خیال رکھیں "بے تمیزی" کی بات ہے، "بد تمیزی" کی بات نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کوئی غلط مطلب سمجھ لیں۔ "بد تمیزی" اور ہوتی ہے، "بے تمیزی" اور ہوتی ہے۔ بے تمیزی کا معنی ہے: کسی چیز کا امتیاز نہ کر سکنا، کسی چیز کے بارے میں پتا نہ چلنا۔ جیسے انسان نشہ میں ہو تو نشہ کی حالت میں کسی چیز کا امتیاز نہیں کر سکتا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ اسی طرح عالمِ خواب میں میں بھی پتا نہیں چل سکتا۔

متن:

جو بزرگ حقیقی اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں وہ اس قسم کی باتوں سے بالکل پاک و مبرا ہیں اور ظاہر و باطن میں انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی اقتدا کرتے ہیں اور ان ہی کے تابع رہتے ہیں لہذا جو شخص شطحیات کے طور پر کلام کرتا ہے اور سب کے ساتھ مقام صلح میں

ہے اور سب کو صراط مستقیم پر خیال کرتا ہے اور حق (تعالیٰ) و خلق (مخلوق) کے درمیان تمیز نہیں کرتا اور ان میں دوئی کے وجود کا قائل نہیں ہوتا تو ایسا شخص اگر مقام جمع تک پہنچ چکا ہے اور کفر طریقت سے متحقق ہو کر ماسویٰ کا نسیان حاصل کر چکا ہے تو اس کا کلام مقبول ہے۔

تشریح:

یہ بہت گہری ہے۔ اللہ کرے کہ میں صحیح بات صحیح طور پہ سمجھا سکوں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے نفس کو فنا کر دیا یعنی اپنے نفس سے نکل گیا تو اس حالت کو مقامِ جمع کہتے ہیں۔ یعنی اس کی نظر بس اللہ تعالیٰ پر ہے، اس کی نظر کسی اور چیز کے اوپر ہے ہی نہیں۔ یہ مقامِ جمع ہے۔ جو مقامِ جمع پہ پہنچ گیا، اس کا نفس درمیان سے نکل گیا۔ اب اس کی ہر بات اللہ پاک کو قبول ہے۔ کیونکہ اب وہ از خود کچھ نہیں کہہ رہا، بلکہ اپنے اس حال کی بنیاد پہ کہہ رہا ہے۔ اس لئے اس کی ہر بات قبول ہے۔ اگرچہ دوسرے لوگوں کے لئے دونوں لحاظ سے قبول نہیں ہے، دوسرے لوگ اس کو مان سکتے ہیں، نہ ہی جان سکتے ہیں۔ لہٰذا دوسرے لوگوں کے لئے اس کی بات قابلِ قبول نہیں ہے، لیکن اللہ پاک کی بارگاہ میں قبول ہو گی، کیونکہ یہ شخص لوگوں سے کٹ گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مل گیا ہے۔ یہ دوئی سے نکل گیا ہے، اب اس میں دوئی والی بات نہیں ہے۔ جس طرف یہ ملا ہوا ہے (یعنی خدا کی طرف) اس کو مان رہا ہے اور جس طرف سے کٹ گیا ہے (یعنی لوگوں کی طرف سے) وہ اس کی بات کو نہیں مانیں گے۔ الغرض ایسی صورت میں ایسے لوگوں کا کلام اللہ کے ہاں مقبول ہے لیکن لوگ اس کی تقلید نہیں کر سکتے۔

اس کی ایک مثال عرض کرتا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ وہ

ایک گڈریے کے پاس سے گزرے۔ وہ کہہ رہا تھا: ”اے اللہ! تو کدھر ہے کہ میں تیرے ہاتھ دباؤں۔ تیرے پیر دباؤں۔ تیری جوئیں نکالوں۔“ حضرت موسی علیہ السلام اس وقت مقام صحو میں تھے اور وہ گڈریا مقامِ سُکر میں تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی بات کرتا ہے؟ اور اسے ایک تھپڑ مارا۔ وہ روتا ہوا جنگل کی طرف چلا گیا۔ اللہ پاک کی طرف سے وحی آئی کہ اے موسیٰ میں نے تو تجھے لوگوں کو مجھ سے جوڑنے کے لئے بھیجا تھا، توڑنے کے لئے نہیں بھیجا تھا، یہ شخص تو میرے ساتھ باتیں کر رہا تھا، آپ نے اسے روک دیا۔

یہ واقعہ مقامِ جمع کی ایک مثال ہے۔ اس گڈریے کا ایسی باتیں کہنا اللہ پاک کے ہاں قبول تھا، کیونکہ وہ یہ باتیں از خود نہیں کہہ رہا تھا، بلکہ اپنی محبت کی وجہ سے کہہ رہا تھا۔ لہٰذا اس کا یہ فعل اللہ پاک کے ہاں مقبول تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے قبول نہیں تھا، اور دوسرے لوگوں کے لئے بھی قبول نہیں تھا۔

اس قسم کی باتوں کو شَطحیّات کہتے ہیں۔ جن لوگوں کا یہ حال ہو ان کی ایسی بات قبول بھی ہے اور وہ اس سلسلہ میں معذور بھی ہیں۔ لیکن ایسے لوگ قابل اقتدا نہیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عالمِ صحو میں نہیں ہیں۔ وہ عالمِ تمیز میں نہیں ہیں بلکہ عالمِ سُکر میں ہیں۔ جو شخص نشہ میں ہو آپ اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتے۔ اِن کی مثال بھی ایسی ہی ہے کہ وہ عالمِ سُکر میں ہیں۔ اس وجہ سے لوگوں کے نزدیک قبول نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول ہیں۔ جاننے والوں کے نزدیک معذور ہیں۔ قابل اقتدا نہیں ہیں۔

متن:

اور اس کی وہ باتیں جو سکر کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں تو ان کا ظاہری مطلب نہیں لیا جائے گا (بلکہ ان کی تاویل کی جائے گی) اور اگر وہ شخص اس حال کے حصول کے بغیر اور کمال کے درجہ اولیٰ میں پہنچے بغیر اس قسم کی (سُکریہ) باتیں کرتا ہے اور سب کو حق اور صراط مستقیم پر جانتا ہے اور حق و باطل میں تمیز نہیں کرتا تو ایسا شخص زندیق اور ملحد ہے۔

تشریح:

یعنی اگر وہ نفس کو فنا نہیں کر چکا، تو وہ ایسی باتیں نفس کی وجہ سے کہہ رہا ہو گا یا شہرت حاصل کرنے کی وجہ سے کہہ رہا ہو گا یا پھر اپنے آپ کو بزرگ مشہور کرنے کے لئے کہہ رہا ہو گا۔ اور یہ باتیں شریعت کے مطابق نہیں ہیں۔ اگر وہ ان کو حق سمجھتا ہے تو پھر یہ شخص زندیق اور ملحد ہے۔

متن:

جس کا مقصود شریعت کو باطل کرنا ہے اور جس کا مطلوب انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات جو کہ رحمۃ للعالمین ہیں ان کی دعوت کو ختم کرتا ہے پس اس قسم کے خلاف (شریعت) کلمات حق والے سے بھی صادر ہوتے ہیں اور باطل والے سے بھی لیکن سچے کے لئے آبِ حیات ہیں اور جھوٹے کے لئے زہر قاتل جس طرح کہ دریائے نیل کا پانی بنی اسرائیل کے حق میں آب خوشگوار تھا اور قبطیوں کے حق میں خونِ ناگوار۔

اس مقام پر اکثر سالکوں کے قدم پھسل جاتے ہیں اور بہت سے مسلمان اکابر اربابِ سکر کی باتوں کی تقلید کر کے راہ راست سے منحرف ہو کر ضلالت اور خسارت کے کوچوں میں جا پڑے ہیں اور اپنے دین کو برباد کر بیٹھے ہیں وہ یہ نہیں جانتے کہ اس قسم کی باتوں کا قبول کرنا چند شرائط پر

مشروط ہے جو اربابِ سُکر میں تو پائی جاتی ہیں اور ان میں مفقود ہیں ان شرائط میں سے بڑی شرط نسیان ماسوائے حق سبحانہ ہے۔

تشریح:

اللہ کے علاوہ باقی تمام چیزوں کو بھول جائیں۔ صرف اللہ یاد ہو۔

متن:

جو کہ اس قبولیت کی دہلیز ہے۔ اور سچے اور جھوٹے کے درمیان امتیاز شریعت پر استقامت ہونے اور نہ ہونے کی علامت ہے۔ جو سچا ہے وہ سکر و مستی اور بے تمیزی کے باوجود شریعت کے خلاف بال برابر بھی کوئی عمل نہیں کرے گا۔ منصور **اَنَا الْحَقُّ** کہنے کے باوجود قید خانے میں بھاری زنجیروں کے ساتھ جکڑا ہوا ہونے کی حالت میں ہر شب پانچ سو رکعت نماز نفل ادا کرتا تھا اور وہ کھانا جو اس کو ظالموں کے ہاتھ سے ملتا تھا اگرچہ وہ حلال کے ذریعے سے ہوتا تھا نہیں کھاتا تھا۔ اور جو شخص باطل پرست ہے تو اس پر احکام شریعت کا بجالانا کوہ قاف کی طرح بھاری ہے۔ آئہ کریمہ:

﴿كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ﴾ (الشوریٰ:13) (جس کی طرف تم ان کو بلاتے ہو وہ مشرکوں پر بہت بھاری ہے)۔ ان کی حالت کی نشان دہی کرتی ہے۔

﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا﴾ (الکھف:10) (اے ہمارے پروردگار! ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بہتری نصیب فرما)

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى (اور سلام ہو ان پر جو ہدایت کی پیروی کریں)

تشریح:

ماشاء اللہ حضرت نے بہت خوبصورت طریقے سے ایک بہت مشکل گھاٹی کی نشان دہی کی اور بتادیا کہ اس میں حق کیا ہے اور باطل کیا ہے، صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے۔ بزرگوں پہ بدگمانی بھی نہیں کرنا چاہئے لیکن ایسی باتیں جو بزرگوں کے اس حال کے مطابق ہیں جس حال سے ہم نہیں گزرے، ان میں ہم ان کی تقلید نہیں کرسکتے۔ البتہ ہم ان کو بزرگ مانیں گے لیکن ان معاملات میں ان کی تقلید نہیں کرسکیں گے۔

بہت سارے لوگ مجذوبوں کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ حالانکہ مجذوبوں سے کچھ نہیں ملتا، مجذوب تو گائیڈڈ میزائل کی طرح ہیں جس طرف کو چھوڑ دیئے گئے اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ فائدہ مرشدوں سے ملتا ہے جو اہل حق بھی ہوتے ہیں اور مقبول بھی ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنے سے فائدہ ہوتا ہے۔ مجذوبوں کے پاس بیٹھنے سے تو انسان اپنی عقل کی توہین کرتا ہے۔ مجذوبوں سے تو ان کے حال کی وجہ سے عقل مسلوب ہوگئی ہے۔ لیکن تم قصداً عقل کو چھوڑتے ہو۔ اس بات کو اس مثال سے سمجھیں کہ نشہ کرنا اس لئے حرام ہے کہ اس سے عقل سلب ہو جاتی ہے۔ قصداً نشہ کرکے اپنی عقل کو سلب کرنا حرام ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ اللہ کی محبت میں جن کی عقل وقتی طور پر ختم ہو جائے، وہ عند اللہ مقبول ہیں لیکن ان کے الفاظ ہمارے لئے مقبول نہیں ہیں۔ ہم ان کے الفاظ کی تقلید نہیں کریں گے۔ یہی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی بات کالُبِّ لُباب ہے۔

عشقِ مجازی کی حرمت وممانعت:

آگے ایک اور اہم موضوع "عشقِ مجازی کی حرمت اور ممانعت" کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ چند باتیں فرماتے ہیں۔

اللہ جل شانہ نے طرح طرح کی مخلوقات پیدا فرمائی ہیں، ان میں سے خوبصورت مخلوقات آزمائش کا سبب بن جاتی ہیں۔ اس کی کیا حدود ہیں اور طریقت میں اس کے بارے میں صحیح رائے کیا ہے۔ اس کے بارے میں دفتر سوم کے مکتوب نمبر 66 میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

متن:

لیکن یہ بھی جان لینا چاہئے کہ **اَلْمَجَازُ قَنْطَرَۃُ الْحَقِیْقَۃِ** (مجاز حقیقت کا پل ہے) اس صورت میں ہے جب کہ مجاز کی گرفتاری درمیان میں نہ آئے (بلکہ ایک نظر کے بعد) نظرہ ثانیہ (دوبارہ دیکھنے) کی نوبت نہ پہنچے۔

تشریح:

ایک عجیب بات دل میں آئی ہے۔ بہت قیمتی بات ہے۔ اللہ کا شکر ہے اللہ پاک نے اسی وقت دل میں ڈالی ہے۔ ہم ہر وقت فجور و تقویٰ کے درمیان ایک امتحان سے گزر رہے ہیں۔ ہم ہر وقت یا تو فجور کی طرف ہوں گے یا پھر تقویٰ کی طرف ہوں گے۔ اگر ہم نے اپنے نفس کی بات مان لی تو فجور کی طرف ہیں اور اگر اللہ کی بات مان لی تو تقویٰ کی طرف ہیں۔ ہمارے ایک طرف نفس کی خواہش ہے اور دوسری طرف اللہ پاک کا حکم ہے۔ پس اگر ہم نے اللہ کی بات سن لی اور اللہ کی بات مان لی تو تقویٰ ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی بات کی نافرمانی کی اور نفس کی بات مان لی تو تباہی و فجور ہے۔ یہ

معاملہ ہر وقت ہمارے ساتھ ہو رہا ہے۔ نفس کو زیادہ تر جو چیزیں مرغوب ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں شریعت میں منع کیا ہے۔ شراب کی مثال لے لیں۔ نفس چاہتا ہے کہ میں شراب پیوں لیکن اللہ پاک نے اس سے منع کیا ہے۔ اب جس شخص کے سامنے شراب پیش کی گئی اور اس نے انکار کر دیا تو وہ تقویٰ حاصل کر چکا اور متقی بن گیا۔ اسی طرح اگر کوئی خوبصورت چیز آپ کے سامنے آجائے لیکن اس وقت اللہ کا حکم آپ کی طرف متوجہ ہے کہ اس کی جانب نہیں دیکھنا ہے۔ تو یہ دراصل آپ کا امتحان ہو رہا ہے کہ آیا آپ اللہ کا حکم مانتے ہیں یا اس چیز کو دیکھ رہے ہیں۔ پہلی نظر میں آپ کا اختیار نہیں ہے۔ آپ کو کیا پتا تھا کہ میرے سامنے کیا آنے والا ہے۔ اس لئے پہلی نظر معاف ہے۔ ہاں اگر پتا ہو، خطرہ ہو کہ عین ممکن ہے اس طرف یہ چیز ہو، پھر نہیں دیکھنا چاہئے۔ اگر عام حالت ہے، آپ کو پتا ہی نہیں ہے اور آپ کی اچانک نظر پڑ گئی تو یہ اس لئے معاف ہے کہ آپ کو اس کا پتا نہیں تھا، یہ غیر اختیاری ہے۔ لیکن جیسے ہی پہلی نظر پڑی فوراً اللہ کا حکم آپ کی طرف متوجہ ہو گیا کہ اب نہیں دیکھنا اور آپ نے اللہ پاک کے حکم پر عمل کرنے کی نیت سے اپنے چہرے کو ہٹا لیا تو یہ آپ نے تقویٰ میں اپنا سکور (score) بڑھا لیا۔ اور اگر آپ نے اللہ کے حکم پہ عمل نہیں کیا بلکہ دیکھتے رہے تو فجور میں پڑ گئے۔ اگر یہ صورت حال سامنے نہ آتی تو نہ مثبت تھا نہ ہی منفی تھا لیکن جب سامنے آگئی تو مثبت کا چانس بھی ہے اور منفی کا چانس بھی ہے۔ اگر قصداً دیکھا تو منفی ہے، اور اگر نہیں دیکھا تو مثبت ہے۔ اگر کسی وجہ سے کسی پہ نظر پڑ گئی تو جس وقت تک آپ کو اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور آپ نے فوراً نظر ہٹا دی، تو آپ کو اسی لمحے تقویٰ حاصل ہو گیا۔ جب تک آپ کے ساتھ ایسا کوئی اور واقعہ نہیں ہوتا تب تک آپ کو بس اتنا ہی تقویٰ حاصل

ہے، جتنا آپ نے پہلی بار حاصل کیا۔ اگر کوئی دوسری بار سامنے آجائے، اور آپ نظر بچالیں تو یہ دوسرا واقعہ آپ کے لئے مزید تقویٰ حاصل کرنے کا موقع بن جائے گا۔ لیکن اگر دل میں وہ چیز گُھس گئی، کئی بار ایک نظر سے بھی گھس جاتی ہے تو پھر تقویٰ حاصل نہیں ہو گا۔ اس لئے کہتے ہیں:

جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

یہ احتیاط اسی لئے ہوتی ہے کہ بعض دفعہ ایک نظر سے بھی کوئی چیز دل میں گُھس جاتی ہے اور نکالے نہیں نکلتی۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ آپ کو مسلسل اجر کمانے کا موقع دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ عارضہ دل میں غیر اختیاری طور پہ پڑا ہوا ہے اور آپ اپنے آپ کو اس سے اختیاری طور پر منقطع کر رہے ہیں۔ جب تک آپ اپنے آپ کو اس سے اختیاری طور پر منقطع کر رہے ہیں، آپ کے تقویٰ کے درجات مسلسل بڑھ رہے ہیں۔ یہ ایسا عجیب کمالی درجہ ہے کہ آدمی ولایت کے درجوں پہ چڑھ رہا ہوتا ہے لیکن اپنے آپ کو مردود سمجھ رہا ہوتا ہے۔ اس کو برائی کی طرف جو کشش ہو رہی ہوتی ہے اس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو مردود سمجھ رہا ہوتا ہے۔ لیکن اللہ پاک کے ہاں اس کی بڑی اچھی حالت ہوتی ہے کیونکہ وہ کشش اختیاری طور پر نہیں بلکہ غیر اختیاری طور پہ ہوتی ہے۔

یہ وہ چیز ہے جس کے لئے فرمایا ہے کہ عشقِ مجازی حقیقت کا پل ہے۔ مجاز حقیقت کا پل اس طرح ہے کہ مجاز کی محبت دل میں ہوتے ہوئے بھی آپ اس پہ مسلسل آگے بڑھ سکتے ہیں، جب تک اللہ نے چاہا مجاز دل میں رہے گا اور جب دل سے نکل گیا تب آپ کامیاب ہو گئے، شر سے بچ گئے۔ اور وہ چیز بھی پوری ہو گئی۔ جتنا آپ نے حاصل کرنا تھا حاصل کر لیا۔ یہ ارادتاً نہیں کرنا ہوتا،

اسے نہ کرنے کے اسباب بھی اختیار کرنے ہوتے ہیں۔

اس وجہ سے میں اپنے ساتھیوں کو کہا کرتا ہوں کہ کوئی بھی نامحرم کو ٹیوشن نہ پڑھائے۔ میں باقاعدہ اپنے ساتھیوں کو یہ ہدایت دیتا ہوں، کہ چاہے آپ بہت بڑے بزرگ ہی کیوں نہ ہوں پھر بھی آپ کو نامحرم کو ٹیوشن پڑھانے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ ناممکن ہے۔ بلکہ میں تو بنات کے مدارس میں بھی مرد اساتذہ کے پڑھانے کے حق میں نہیں ہوں۔ اس میں بہت مسائل ہوتے ہیں۔ مجھے اکثر ان مسائل کی خبریں ملتی رہتی ہیں۔ اس وجہ سے بہت محتاط ہونے کی ضرورت ہے۔ کم از کم جوان اساتذہ کو تو وہاں جانا ہی نہیں چاہئے، کیونکہ وہ فتنہ کی جگہ ہے اور اپنے آپ پر کسی کا قابو نہیں ہے۔ کسی وقت بھی مسئلہ ہو سکتا ہے۔ کون اتنا متقی ہو گا جو سمجھے گا کہ اس میں میری ترقی ہو رہی ہے، وہ تو اس دلدل میں پھنس جائے گا اور نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ جائے گا۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ اپنے آپ کو دلدل میں نہ پھنساؤ، جتنا بچ سکتے ہو بچتے رہو۔

ہمارا ایک حافظ قرآن ساتھی ہے۔ مجھ سے بیعت ہونے سے پہلے اس سے ایک غلطی ہو گئی تھی۔ وہ ایک لڑکی کو ٹیوشن پڑھاتا تھا۔ اس کے دل میں بات آگئی اور وہ پھنس گیا۔ خدا کی شان کہ اس لڑکی کی شادی ہو گئی۔ کسی کی شادی کے بعد اس کے لئے سوچنا بھی ممکن نہیں ہے۔ شادی سے پہلے تو آپ شادی کے لئے سوچ سکتے ہیں کہ میں شادی کا پیغام دے دوں۔ لیکن شادی کے بعد تو یہ راستہ بھی بند ہے۔ جب تک وہ طلاق نہ دے اس وقت تک آپ کے لئے ایسا کرنا ناممکن ہے۔ اور طلاق دینے کے لئے سوچنا بھی جرم ہے۔ کیونکہ اس طرح آپ کسی کا گھر ویران کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ اصحابِ توجہ میں سے ہیں، پھر تو اس چیز کی بہت زیادہ پابندی ہو گی۔ خیر! یہ ساتھی میرے

پاس آیا۔ مجھ سے بیعت ہوا۔ مجھے اپنی کہانی سنائی کہ مجھ سے اس طرح ہوا ہے، میں کیا کروں؟ خدا کی شان کہ میں اس موضوع پر حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کچھ تحاریر پڑھ چکا تھا۔ میں نے ان تحاریر کی روشنی میں اس ساتھی سے گذارش کی کہ آپ روزانہ ہزار مرتبہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کا ذکر اس تصور کے ساتھ کیا کریں کہ "لَآ اِلٰهَ" کے ساتھ آپ کے دل سے اس کی محبت نکل رہی ہے اور "اِلَّا اللّٰهُ" کے ساتھ اللہ کی محبت آ رہی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ چار مہینے میں اس کا دل پاک صاف ہو گیا۔ یہ مجازی محبت ایسی چیز ہے کہ اس کے نکلنے میں چار مہینے لگ گئے۔ اسے معمولی نہیں سمجھنا چاہئے۔ الحمد للہ وہ ساتھی اس جال سے نکل آیا۔

لہٰذا اس بیماری سے اپنے آپ کو بہت بچانا چاہئے۔ اگر کوئی اس میں پھنس جائے تو اس کے بارے میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو بچاتے رہیں اور اس سے detach (منقطع) کرتے رہیں۔ بچنے کے تمام اسباب حتی الامکان اختیار کرتے رہیں۔ اگر اس کشمکش میں جان بھی چلی جائے تو یہ اعلیٰ درجہ کی شہادت ہے۔ یہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ یہ کوئی گپ شپ کی باتیں نہیں ہیں۔

بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ "جن کو کسی کے ساتھ عشق ہو چکا ہو، ان کے لئے اللہ والا بننا بہت آسان ہے"۔ وہ اس context (معنی) میں کہا ہے کہ اگر وہ شخص محنت کر کے اپنے آپ کو اس عشقِ مجازی سے نکال دے تو بس وہ قبول ہو جائے گا۔ باقی سب چیزوں کی محبت اس ایک محبت میں آجائے گی۔ آپ اس ایک محبت کو اللہ کے لئے ذبح کر دیں گے تو باقی سب محبتیں بھی ذبح ہو

جائیں گی۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مثال یوں دی ہے کہ جیسے آپ کسی کمرے کو صاف کر رہے ہوں۔ تو اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ایک ایک تنکے کو اٹھا کر باہر پھینکا جائے۔ یہ بڑا لمبا طریقہ ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جھاڑو لے کر سب کچرے کو جمع کر کے دیا سلائی لگا دو اور بس، کام ختم، سب صاف ہو گیا۔ یہ اسی قسم کی بات ہے۔ عشقِ مجازی باقی تمام محبتوں کو جھاڑو لگا دیتا ہے۔ ایسے عاشق کو نہ عزت پیاری ہوتی ہے، نہ دولت پیاری ہوتی ہے، نہ کھانا پینا پیارا ہوتا ہے، نہ دنیا کی کوئی اور چیز پیاری ہوتی ہے، صرف وہ ایک ہی پیارا ہوتا ہے، جس پہ وہ مر مٹا ہوتا ہے۔ ساری محبت اس ایک ٹوکری میں آگئی۔ اب اس ٹوکری کو اللہ پاک کے حوالے کر دو، بس کام بن گیا۔ پھر اللہ ہی کی محبت آجائے گی۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

متن:

لیکن یہ بھی جان لینا چاہئے کہ "**اَلْمَجَازُ قَنْطَرَۃُ الْحَقِیْقَۃِ**" (مجاز حقیقت کا پل ہے۔) اس صورت میں ہے جب کہ مجاز کی گرفتاری درمیان میں نہ آئے۔ یعنی ایک نظر کے بعد نظرۂ ثانیہ (دوبارہ دیکھنے) تک نوبت نہ پہنچے۔ پس وہ نظر اولیٰ (پہلی نظر) ہی ہے جو حقیقت کا پل ہے اور جس کی نسبت مخبر صادق علیہ و علی آلہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے:

اَلنَّظْرَۃُ الْاُوْلٰی لَکَ (پہلی بار دیکھنا تیرے لئے ہے) گویا لفظ **لَکَ** سے اس دولت کے حاصل ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور اگر **عِیَاذًا بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ** (اللہ سبحانہ کی پناہ) مجاز

کی گرفتاری درمیان میں آگئی بلکہ نظرہ ثانیہ تک نوبت پہنچ گئی تو وہی حقیقت تک پہنچنے کا مانع ہے وہ قنطرہ (پل) تو کیا بلکہ وہ تو ایک بت ہے جو اپنی پرستش کی طرف بلاتا ہے اور ایک دیو ہے جو حقیقت سے برگشتہ کرتا ہے اسی لئے مخبر صادق علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام نے نظرہ ثانیہ کو مضر جانتے ہوئے **اَلنَّظْرَةُ الثَّانِيَةُ عَلَيْكَ** فرمایا ہے۔

تشریح:

دوسری نظر آپ کے اوپر وبال ہو جاتی ہے، وہ تو آپ کو مار دے گی۔

متن:

(دوسری نظر تیرے لئے (مضر) ہے) فرمایا ہے۔ اور اس سے زیادہ کون سی چیز مضر ہو گی جو حق سے باز رکھے اور باطل میں گرفتار کرے۔

اور جاننا چاہئے کہ پہلی نظر بھی اس وقت فائدہ مند ہے جبکہ اپنے اختیار سے نہ ہو اور اگر اپنے اختیار سے ہو گی تو وہ بھی نظرہ ثانیہ کا حکم رکھتی ہے۔

تشریح:

مثلاً مجھے پتا ہے کہ دیوار کے پیچھے کوئی عورت کھڑی ہے۔ بے شک میں بے خیالی میں باہر جاؤں گا لیکن مجھے پتا تو ہے، لہٰذا یہ بے خیالی نہیں بلکہ planning (منصوبہ بندی) ہے۔

متن:

اس مطلب کے اثبات کے لئے آئیہ کریمہ ﴿**قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ**

اَبْصَارِهِمْ﴾(نور:30)(آپ مؤمنوں سے کہہ دیں کہ اپنی نظروں کو نیچے رکھا کریں)کافی ہے۔

تشریح:

یہ اسباب کے دائرہ میں ہے کہ بچنے کا راستہ ڈھونڈو۔

متن:

صوفیائے خام نے اس عبارت کے معنی نہ سمجھے اور غلط معنی کرنے کی وجہ سے وہ حسین شکلوں کے ساتھ گرفتاری (تعلق) پیدا کرلیتے ہیں اور ان کے ناز و انداز پر فریفتہ ہو جاتے ہیں اس طرح پر کہ اس (عشق و محبت) کو حقیقت تک پہنچنے کا وسیلہ اور مطلوب کے حاصل ہونے کا زینہ بنائیں۔ ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ یہ امر سراسر مطلوب کا سدِ راہ اور مقصود کے حاصل ہونے کے لئے حجاب ہے اور یہ ایک باطل ہے جو ان کی نظر میں مزین و آراستہ ہو گیا ہے اور وہ دھوکے میں آکر اس کو حقیقت سمجھ بیٹھے ہیں۔ ان میں سے بعض صوفی ان صورتوں کے حسن و جمال کو حق جل شانہ کا حسن و جمال سمجھ کر ان کی گرفتاری کو عین حق تعالیٰ کی گرفتاری جانتے ہیں اور ان کے مشاہدے کو حق تعالیٰ کا مشاہدہ خیال کرتے ہیں اور ان میں بعض کہتے ہیں

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہر ست
در حیرتم کہ وعدہ فردا برائے چیست

ترجمہ:

جب آج ہی جمال ترا بے حجاب ہے
حیرت ہے کل کا وعدہ کیا تو نے کس لئے؟

تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ اس بات سے جو وہ کہتے ہیں بہت ہی بلند و برتر ہے)

معلوم نہیں کہ ان کوتاہ نظروں نے حق سبحانہ کو کیا گمان کیا ہے اور اس کے حسن و جمال کو نہ جانے کیا تصور کیا ہے۔ شاید انھوں نے نہیں سنا کہ حور بہشت جو حق سبحانہ کی ایک مخلوق ہے اگر اس کا ایک بال بھی دنیا میں گر جائے تو اس بال کی چمک اور روشنی کے باعث دنیا میں کبھی رات نہ آئے اور نہ کبھی اندھیرا چھائے۔ اور حق جل وعلا کی ایک ہی تجلی تو پڑی تھی جس سے کوہ طور کے جل جانے اور اس کے ریزہ ریزہ ہو جانے اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے اس قرب و منزلت کے باوجود بے ہوش ہو کر گر پڑنے کا قصہ نص قرآنی سے ثابت ہے۔ لیکن یہ بے عقل لوگ ہر وقت حق تعالیٰ کو بے پردہ دیکھتے ہیں اور آخرت کی رویت کے وعدہ پر تعجب کرتے ہیں۔ ﴿لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا﴾ (الفرقان: 21)
(انھوں نے اپنے نفسوں میں تکبر کیا اور نہایت درجہ سرکش ہو گئے)۔

تشریح:

نفس مکار ہے۔ یہ مکر اس طرح کرتا ہے کہ جب اس کی خواہش ہوتی ہے کہ میں کوئی چیز دیکھوں یا حاصل کروں، تو اس کے لئے یہ بہانے اور عذر تراشتا ہے۔ بہانے کچھ بھی ہو سکتے ہیں، اگر کوئی عالم ہے تو علمی بہانہ ڈھونڈے گا۔ کوئی شاعر ہے تو شاعرانہ بہانہ ڈھونڈے گا۔ کوئی فلسفی ہے تو فلسفیانہ بہانہ ڈھونڈے گا۔ کوئی سائنس دان ہے تو سائنسی بہانہ ڈھونڈے گا۔ جس کی جو فیلڈ

ہے اس کا نفس اسی حساب سے کچھ نہ کچھ بہانہ ڈھونڈے گا۔ حالانکہ یہ سارے کے سارے پھندے ہیں۔ اصل بات تو اللہ پاک کی ہے۔ اس وجہ سے ہم لوگوں کو ان پھندوں سے اپنے آپ کو بچانا ہو گا۔ اپنے آپ کو ان چیزوں میں پھنسنے سے محفوظ رکھنا ہو گا اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو ایسی چیزوں، ایسے لٹریچر سے اور ایسے لوگوں سے بچائیں جو ہمارے اندر اس قسم کا زہر پہنچا سکتے ہیں۔ ہمیں اپنے آپ کو ان سے بچانا ہو گا، انسان میں یہ چیز بالکل آہستہ آہستہ آتی ہے۔

شاعروں میں تو یہ وبا اس حد تک ہوتی ہے کہ وہ باقاعدہ جرأت کے ساتھ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ وہ ایسے بے حجابانہ انداز میں گفتگو کرتے ہیں کہ آدمی حیران ہو جاتا ہے۔ انہیں شرم بھی نہیں آتی۔ واقعی نفس انسان کو بے شرم بنا دیتا ہے۔ آج سے پچاس سال پہلے ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ باپ، بیٹا، یا ماں، بیٹی، دونوں مل کر عاشقی معشوقی پر مبنی کوئی ڈرامہ اکٹھے بیٹھ کر دیکھ سکتے تھے لیکن آج کل ہر گھر میں یہ چلن عام ہو چکا ہے۔ یہ چیز اس طرح عام ہو گئی ہے کہ پردے ہٹ گئے ہیں۔ ایسی ناگفتہ بہ باتیں سننے میں آتی ہیں کہ آدمی زبان پر نہیں لا سکتا۔ جو چیزیں میں جانتا ہوں اور جو واقعات مجھے بڑے بڑے مفتیوں نے سنائے ہیں، ایسے ہوش ربا واقعات ہیں کہ جن کے سننے اور سنانے کی برداشت نہیں ہے۔ ہمیں اپنے آپ کو اس سے بچانا ہے۔

متن:

علماء اہل سنت و الجماعت شَكَرَ اللهُ تَعَالیٰ سَعْيَهُمْ نے بڑی کوششیں کی ہیں اور نقلی دلائل کے ساتھ مخالفوں کے سامنے آخرت کی رویت کو ثابت کیا ہے جب کہ اہل سنت کے علاوہ باقی تمام مخالف گروہ خواہ وہ اہل ملت ہوں یا غیر اہل ملت آخرت میں رویت حق جل و علا کے

قائل نہیں ہیں بلکہ اس کو محال عقلی سمجھتے ہیں۔ اور خود اہل سنت نے بھی اس کو بلا کیف کہا ہے اور عالم آخرت کے ساتھ مخصوص رکھا ہے اور ان بوالہوس لوگوں نے اس دولت قاہرہ کے حاصل ہونے کو اس عالم فانی میں تصور کر لیا ہے اور اپنے خواب و خیال پر خوش ہو رہے ہیں۔ ﴿**رَبَّنَا اٰتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا**﴾(الکھف:10)(اے ہمارے رب ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بہتری فرما)۔ **وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا۔**

تشریح:

بہر حال یہ عشق مجازی کا موضوع آج کل کے شاعروں نے بہت زیادہ کھلا رکھا ہوا ہے۔ مثلاً یہی جملہ کہ ”عشقِ مجازی حقیقت کا ایک پل ہے“۔ ایک تفصیل تو اس کی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بتائی ہے۔ لیکن شاعر اس کو دوسرے معنی میں لیں گے۔ وہ کہیں گے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو ان چیزوں میں مشغول کر کے اللہ تعالیٰ تک پہنچنا چاہئے۔ حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔

لوگ صحیح باتوں سے بھی غلط مطلب نکالتے ہیں۔ اگر ہم لوگ صحیح لوگوں کے ساتھ اور صحیح مشائخ کے ساتھ رابطہ نہیں رکھیں گے تو آپ کو ایسے مشائخ بھی مل جائیں گے جو خود بھی گمراہ ہوں گے اور آپ کو بھی اپنے مقاصد کے لئے گمراہ کریں گے۔ اس وقت وہ شیطان کے بھائیوں کی

طرح استعمال ہوں گے۔ نہ وہ خود راستہ پہ ہیں اور نہ ہی دوسروں کو راستہ پہ لانا چاہتے ہیں۔ ان کو اپنی ذاتی اغراض کے ساتھ کام ہے لہٰذا وہ آپ کو صحیح راستہ پہ نہیں لائیں گے۔ اگر اللہ نے کسی کو صحیح لوگوں تک پہنچا دیا اور صحیح لوگوں کے ساتھ ملا دیا تو یہ اس کا بہت بڑا فضل اور کرم ہے۔ اللہ نہ کرے اگر کوئی کسی غلط ہاتھ میں چلا گیا، تو پھر کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا، پھر تو ہر خیر اس کے لئے شر بن سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیائے کرام کے بارے میں بھی بات کی ہے۔ لوگ صوفیائے کرام کی صحیح باتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ اس سے صحیح صوفیوں پر بھی اعتراض ہو سکتا ہے، اس لئے اگلا موضوع یہ ہے کہ صوفیائے کرام کے کلام پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔

صوفیائے کرام کے کلام کو سمجھنے کے لئے دو چیزوں کی اشد ضرورت ہے۔ ایک فن کا علم اور دوسرا اقال اور حال میں فرق کا علم۔ اس کے بغیر صوفیا کے کلام میں غور کرنا خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ اس لئے فرمایا گیا ہے کہ صوفیا کا کلام دونوں طرف سے کاٹ کرتا ہے۔ اگر اس سے ایک وقت میں بہت فائدہ پہنچ سکتا ہے تو دوسرے وقت میں انسان بے احتیاطی سے اپنا نقصان بھی کر سکتا ہے۔ اس کے بارے میں دفتر دوم کے مکتوب نمبر 77 میں ارشاد فرماتے ہیں:

متن:

کلامِ صوفیائے کرام پر اعتراض نہ کریں

آپ کو اس قسم کی باتیں ہر گز نہیں کرنی چاہئیں اور حق جل سلطانہ کی غیرت سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ بظاہر (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) اس وقت کے مدعیان نے آپ کو اس فتنہ و فساد پر آمادہ کیا

ہے۔ آپ کو بزرگوں کا لحاظ کرنا چاہیئے۔ اگر آپ ان مدعیوں کی نئی سے نئی اور من گھڑت باتوں پر اعتراض کرتے تو گنجائش تھی لیکن وہ امر جو قوم (صوفیہ) کے نزدیک مقرر اور اس راہ (طریقت) میں ضروری ہے اس کے متعلق گفتگو کرنا مناسب نہیں ہے۔ آپ نے فقیر کے رسالوں اور مکتوبات میں دیکھا ہوگا کہ توحید شہودی کی نسبت کس قدر لکھا ہے اور ضروریات راہ (طریقت) سے قرار دیا ہے۔

تشریح:

اہل حق صوفیائے کرام کے کلام پہ کبھی اعتراض نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس سے انسان کو بہت نقصان ہوتا ہے۔ جو چیز آپ کو سمجھ نہیں آرہی، اس کو چھوڑ دیں۔ اور جو چیز حق کے مطابق ہے اس کا مقابلہ بالکل نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ اللہ کے لئے بات کر رہے ہیں۔ اگر آپ اس کا مقابلہ کریں گے تو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ ہو جائے گا۔ البتہ یہ بات غلط صوفیا کے بارے میں نہیں ہے۔ جن صوفیا کی غلطی ثابت ہو جائے۔ جو کہ ہم ثابت نہیں کرسکتے، بلکہ خود دوسرے اللہ والوں نے ثابت کی ہو۔ ان کے بارے میں بات کی جاسکتی ہے۔

صوفیوں کی بعض غلطیوں کی نشان دہی:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تصوف کے امام تھے اس لئے صوفیوں کی غلطی پر بہت کڑھتے تھے اور ان کی اصلاح کی ہر وقت فکر کرتے تھے۔ دفتر اول کے مکتوب نمبر 220 میں اپنی اس فکر کو یوں بیان فرماتے ہیں:

متن:

اے عزیز!

یہ راستہ غیب الغیب (پردہ در پردہ) ہے جس میں سالکوں کے قدم بہت لغزش کھاتے ہیں، لہذا آپ اعتقادات و اعمال میں شریعت کے رشتہ کو مد نظر رکھتے ہوئے زندگی بسر کریں۔ حضور و غیبت (سامنے اور پس پردہ) میں (فقیر کی) یہی نصیحت ہے ایسا نہ ہو کہ غفلت واقع ہو جائے۔ لہذا اس راہ کی بعض غلطیاں تحریر کی جاتی ہیں اور اس کا منشا غلطیوں کی نشان دہی کرنا ہے (امید ہے کہ) حصول عبرت کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں گے۔

تشریح:

یعنی خود بچنے کی نیت سے پڑھیں گے۔ دوسروں کے اوپر اعتراض کرنے کی نیت سے نہیں۔

متن:

اور مذکورہ جزئیات کے علاوہ ان کے اندازے کے مطابق کام کریں گے۔ جاننا چاہئے کہ صوفیہ کی بعض غلطیاں یہ ہیں کہ کبھی کبھی سالک مقام عروج میں اپنے آپ کو دوسروں سے بالاتر پاتا ہے جن کی افضلیت علماء کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے حالانکہ یقیناً اس سالک کا مقام ان بزرگوں کے مقامات سے نیچے ہے۔ بلکہ یہ اشتباہ کبھی کبھی انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی نسبت بھی ہو جاتا ہے جو قطعی طور پر بہترین مخلوق ہیں۔ **عَیَاذاً بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ مِنْ ذٰلِکَ۔**

تشریح:

یہ ایک بہت گہرا نکتہ ہے۔ پہلے اس کو سمجھنا چاہئے کہ مقام عروج کیا ہے اور مقام نزول کیا ہے؟ مقامِ عروج میں انسان کی نظر مخلوق سے کٹ کے صرف اللہ پر ہوتی ہے اور مقام نزول میں

انسان کی نظر اللہ تعالیٰ کے حکم سے مخلوق کی طرف ہوتی ہے۔ جن کی نظر مخلوق کی طرف ہے، ان کے بارے میں عین ممکن ہے کہ وہ انسان جس کی نظر اللہ کی طرف ہے یہ سوچے کہ میں ان سے اچھا ہوں کہ میری نظر تو اللہ کی طرف ہے۔

ایک مثال سے یہ بات زیادہ وضاحت سے سمجھ آسکتی ہے۔ ایک مجلس میں دو عاشق اپنے محبوب کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک عاشق کچا ہے۔ خطرہ ہے کہ اگر اس کو بازار بھیج دیا جائے تو بازار کی چیزوں میں اس کا دل لگ جائے گا اور اپنے مقصد سے ہٹ جائے گا۔ اِس کو معشوق کہتا ہے کہ ادھر ہی بیٹھے رہو، مجھے دیکھتے رہو۔ جبکہ دوسرا شخص پکا عاشق ہے۔ وہ بازار میں رہ کر بھی بازار کا نہیں ہوتا بلکہ اپنے محبوب کا ہی ہوتا ہے اور اسی کے لئے کام کرتا ہے۔ چیزیں خریدتا ہے، سامان بناتا ہے۔ سارا لین دین کرتا ہے، سب کچھ لاتا ہے۔ لیکن اس کی قلبی نظر ذرہ بھر بھی اپنے محبوب سے نہیں ہٹتی۔ وہ سارے کام اس کے مطابق کرتا ہے۔ اب بتائیں کہ اس محبوب کے نزدیک افضل کون سا محبّ ہے؟ ظاہر ہے دوسرا عاشق افضل ہے۔ لیکن پہلا عاشق کہے گا کہ اِس کو بازار بھیج دیا اور مجھے اپنے پاس بٹھایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میں افضل ہوں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس کا الٹ ہے۔

لہٰذا جو حضرات اس قسم کی باتیں کر چکے ہیں، انہیں اس حال پر محمول کرنا چاہئے کہ اس وقت وہ مقامِ عروج میں تھے۔ اس وجہ سے ان سے یہ باتیں ہو گئیں۔ ورنہ جب وہ اپنی اس حالت سے واپس آچکے ہوں گے، تب ان کو خود ہی پتا چل گیا ہو گا کہ بات ایسی نہیں تھی۔

طِبّ کا قانون ہے کہ جب تک بیماری سے صحت حاصل نہ ہو تب تک کوئی غذا فائدہ نہیں

دیتی۔ آپ لٹریچر میں پڑھیں گے کہ فلاں چیز کے اندر یہ وٹامن ہیں اور یہ فوائد ہیں۔ آپ نے پڑھ لیا اور ان چیزوں کو جمع کر کے کھانا شروع کیا۔ لیکن آپ کا معدہ انہیں برداشت کرنے کے قابل نہیں تھا۔ نتیجتاً ہسپتال پہنچ گئے۔ البتہ صحت مند لوگوں کے لئے یہ بڑی زبردست چیز ہے لیکن بیمار آدمی کے لئے نقصان دہ ہے۔ مثلاً کسی کو ٹائیفائیڈ ہے، تو اس کے لئے روٹی سخت نقصان دہ ہے۔ حالانکہ روٹی میں جتنی طاقت ہے شاید ہی کسی اور چیز میں ہو۔ اگر طاقت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو آدمی چلتا ہی اس پر ہے۔ باقی سب چیزیں بھی مفید ہیں مگر اصلی ضرورت روٹی ہی ہے۔ لیکن آپ غور کریں کہ ٹائیفائیڈ کے مریض کے لئے روٹی منع ہے۔ وہ روٹی نہیں کھا سکتا۔ روٹی کھائے گا تو بیماری بڑھ جائے گی۔ لہٰذا اسے ڈاکٹر کہتا ہے کہ روٹی نہیں کھانی۔ کیونکہ اس کا معدہ اس قابل نہیں ہے۔ جب معدہ اس قابل ہو جائے گا تو پھر یہی روٹی اس کے لئے مفید ہو گی۔ روحانیت کا بھی یہی معاملہ ہے کہ جب تک ہم لوگ بیمار ہوں گے اس وقت تک وہ چیزیں جو دوسروں کے لئے مفید ہیں، ممکن ہے کہ ہمیں نقصان پہنچائیں۔ اس کے بارے میں دفتر اول مکتوب نمبر 105 میں ارشاد فرماتے ہیں:

بیماری سے صحت کے بغیر کوئی غذا فائدہ نہیں دیتی:

متن:

حکیم عبد القادر کی طرف صادر فرمایا، اس بیان میں کہ بیمار جبتک تندرست نہ ہو جائے اُسے کوئی غذا فائدہ نہیں دیتی اور اس کے مناسب بیان میں۔

چونکہ اطباء کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ مریض جب تک بیماری سے صحت یاب نہ ہو

جائے کوئی غذا اُسے فائدہ نہیں دیتی اگرچہ مرغِ متنجن ہی کیوں نہ ہو، بلکہ (بیماری کی حالت میں) غذا مرض کو بڑھا دیتی ہے مصرعہ

ہرچہ گیرد علتی علت شود

(ہر غذا بیمار کے حق میں ہے مضر)

لہذا پہلے مرض کو دُور کرنے کی فکر کرتے ہیں اس کے بعد آہستہ آہستہ مناسب غذاؤں سے اصلی قوت و طاقت کی طرف لاتے ہیں۔ پس آدمی جب تک قلبی امراض میں مبتلا ہے ﴿**فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ**﴾ (البقرة:10) (ان کے دلوں میں مرض ہے) کوئی عبادت و اطاعت اس کو فائدہ نہیں دیتی بلکہ مضر ثابت ہوتی ہے۔

رُبَّ تَالٍ لِلْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ یَلْعَنُہٗ (بعض لوگ قرآن کریم اس طرح پڑھتے ہیں کہ قرآن کریم اُن پر لعنت کرتا ہے) نیز **وَرُبَّ صَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ صِیَامِہٖ اِلَّا الْجُوْعُ وَالظَّمَأُ** (یعنی بہت سے روزے دار ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو بھوک اور پیاس کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا حدیث مشہور ہے (کیونکہ وہ جھوٹ اور غیبت وغیرہ سے پرہیز نہیں کرتے) حدیث صحیح مشہور ہے۔ قلبی امراض کے اطبا (یعنی مشائخ کرام) بھی پہلے مرض دُور کرنے کا حکم فرماتے ہیں، اور اس مرض سے مراد ماسوائے حق کی گرفتاری بلکہ اپنی خواہشاتِ نفس میں پھنسا رہنا ہے۔

تشریح:

"رُبَّ تَالٍ لِّلْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ يَلْعَنُهٗ" (احیاء علوم الدین: 1/274) "رُبَّ صَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ صِيَامِهٖ إِلَّا الْجُوْعُ وَالظَّمَأُ" (ابن ماجہ: 190) یہ حدیث ہے۔ باقی اس کی تشریح ہے۔

متن:

کیونکہ ہر شخص جو کچھ چاہتا ہے اپنے (نفس کے لئے) چاہتا ہے، اگر بیٹے کو دوست رکھتا ہے تو بھی اپنے فائدے کے لئے، اور اسی طرح مال و دولت اور ریاست و سرداری چاہتا ہے تو بھی اپنے لئے، پس در حقیقت اس کا معبود اس کی اپنی نفسانی خواہش ہے جب تک نفس کی اس قید سے خلاصی نہ ہو جائے نجات کی امید بہت مشکل ہے، پس عقلمند علماء اور صاحبِ بصیرت حکماء پر لازم ہے کہ اس مرض کے ازالہ کی فکر کریں۔

در خانہ اگر کس است یک حرف بس است

(گھر میں کوئی ہو تو بس اک بات کافی ہی اُسے)

تشریح:

بعض دفعہ مشائخ کسی کو نوافل سے روک دیتے ہیں۔ بعض دفعہ مشائخ کسی کو مفید کتاب پڑھنے سے روک دیتے ہیں۔ بعض دفعہ مشائخ کسی وظیفہ سے روک دیتے ہیں۔ مبتدی حیران ہو جاتا ہے کہ مرشد نے مجھے ایک اچھی چیز سے کیوں روکا۔ شیطان بھی کوشش کرتا ہے کہ ایسے میں مرید کو مرشد سے توڑ دے۔ وہ اس بارے میں سمجھتا ہے کہ یہ مجھے کیوں روک رہا ہے، یہ تو کوئی

بری چیز نہیں ہے۔ بلاشبہ وہ چیز بری نہیں ہوتی لیکن آپ کے لئے ٹھیک نہیں ہوتی، اس لئے مرشد نے اس سے روکا ہوتا ہے۔ ایک دفعہ میں نے رات کے وقت ایک بہت اچھی کتاب پڑھی جو ایک بہت بڑے بزرگ کی تصنیف ہے۔ مجھے پوری رات نیند نہیں آئی۔ صبح میں نماز کے لئے حضرت مولانا اشرف سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس چلا گیا اور حضرت کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر حضرت سے کہا کہ حضرت مجھے پوری رات نیند نہیں آئی۔ حضرت بہت جہاندیدہ بزرگ تھے۔ فوراً مجھ سے پوچھا کس کی کتاب پڑھی ہے؟ میں نے کتاب کا نام بتا دیا۔ فرمایا: آپ کے اوپر ساری کتابیں بند، آئندہ کتابیں نہیں پڑھنی۔ پھر فرمایا: آپ صرف حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ وملفوظات دیکھو گے، سمجھ گئے؟ میں نے کہا: جی ٹھیک ہے۔ پھر فرمایا: میں اس لئے نہیں منع کر رہا کہ کتاب غلط ہے۔ کتاب صحیح ہے۔ بعض دفعہ ڈاکٹر مریض کو ملائی سے بھی روک دیتا ہے۔ حالانکہ ملائی بڑی اچھی چیز ہے لیکن ڈاکٹر اس لئے روکتا ہے کہ ملائی کے استعمال سے مریض کی بیماری بڑھنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ آپ سمجھیں کہ میں بیمار ہوں اس لئے میرے لئے یہ مناسب نہیں ہے۔ اس کے بعد کافی عرصہ تک میرے لئے کتابیں پڑھنا ممنوع رہیں۔

اگر آج میں کسی کو کسی چیز سے روک دوں تو دل میں کہیں گے کہ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ جو لوگ یہاں خانقاہ میں وقت لگانے کے لئے آتے ہیں، ان کے لئے یہ قانون ہے کہ وہ یہاں کتابیں نہیں پڑھیں گے۔ یہ کتابیں علمی تحقیقات کے لئے ہیں، سالکین کے لئے نہیں ہیں۔ اگر سالکین یہاں آکر کتابیں دیکھنا شروع کر لیں گے تو ان کی تربیت نہیں ہو سکے گی بلکہ ذہنی لڑائی شروع ہو جائے گی۔ اس وجہ سے ان کو روکتے ہیں کہ آپ نے ان کتب کا مطالعہ نہیں کرنا۔ البتہ اگر کسی کام

میں ان کو شامل کر دیں اور پھر انہیں کتاب خوانی کا کام دیا جائے تو وہ ایک علیحدہ معاملہ ہے۔

اس کی وجہ یہی ہے کہ بیمار آدمی کے لئے سب سے پہلے ضروری ہے کہ اس کی بیماری کا علاج کیا جائے۔ بعد میں اس کے لئے کوئی غذا اور دوسری چیزیں ہوتی ہیں۔ یہ بات اس حد تک اہم ہے کہ حضرت مولانا مصطفیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو رائے ونڈ کے مقیمین میں سے تھے۔ وہاں ہدایات دیتے تھے اور کار گزاری سنتے تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ فرمایا کہ دیکھو بھائیو! ہم بھی آپ کو ذکر دیتے ہیں، مشائخ بھی آپ کو ذکر دیتے ہیں۔ یاد رکھنا کہ دونوں ذکر کر لیا کرو۔ اگر کبھی ایسا وقت آجائے کہ صرف ایک کر سکو تو ہمارے والا ذکر مؤخر کر لو مشائخ والا ذکر ضرور کر لیا کرو۔ اس کو کبھی نہ چھوڑو۔ کیونکہ مشائخ کا دیا ہوا ذکر علاج ہے اور ہمارا دیا ہوا ذکر غذا ہے۔ اگر غذا اور دوا میں مقابلہ آجائے تو دوا کو ترجیح ہوتی ہے۔

ہم لوگوں کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اگر مشائخ نے ہمیں کسی چیز سے روکا ہے تو اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔ اس بات کو مشائخ نے مختلف عنوانات سے بیان کیا ہے۔ اس عنوان سے بھی بیان کیا ہے کہ اگر آپ کو شیخ کہہ دے کہ جائے نماز کے اوپر شراب انڈیل دو تو انڈیل دو۔ ضرور اس میں کوئی بات ہو گی۔ اب یہ بات بظاہر بہت بری لگتی ہے لیکن یہ صرف نظر کی کمزوری کی بات ہے۔ جس کی نظر کمزور ہوتی ہے اس کو چیزیں عدسے کے ذریعے بڑی کر کے دکھائی جاتی ہیں۔ عمومی طور پہ وہ چیزیں اتنی بڑی نہیں ہوتیں لیکن صرف اسے دکھانے کے لئے ان کا منظر بڑا کر دیا جاتا ہے۔ اس بات کا مقصد بھی یہی ہے کہ اگر شیخ کی بات تمہیں اتنی بری نظر آرہی ہے پھر بھی اسے مانو۔ کیونکہ اسے راستے کا پتا ہے۔ مثلاً دو راستے ہیں۔ ایک راستہ میں ابتدا میں بہت خوبصورت کیاریاں

اور خوبصورت سڑکیں ہیں لیکن آگے جا کر وہ راستہ بہت خراب ہے۔ دوسرا راستہ ابتدا میں اتنا زیادہ اچھا نہیں ہے لیکن آگے جا کر وہ محفوظ ہے۔ اگر کوئی جاننے والا آپ کو بتادے اور آپ کہیں کہ اتنا اچھا راستہ مجھ سے چھڑوا رہے ہو، کہیں تم میرے مخالف تو نہیں ہو۔ تو یہ درست رویہ نہیں ہو گا۔ جاننے والے کی بات ماننی چاہئے۔ یہی بنیادی بات ہے۔ اللہ جل شانہٗ ہم سب کو صحیح بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس کے لئے حضرت دفتر اول مکتوب نمبر 106 میں ارشاد فرماتے ہیں:

اس گروہ سے محبت رکھنے اور ان کے بغض سے بچنے کی ترغیب:

متن:

اس گروہ (اولیائے کرام) کی محبت جو اُن کی معرفت پر مترتب ہوتی ہے حق سبحانہ و تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے، دیکھئے کس صاحبِ نصیب کو اس نعمت سے مشرف فرماتے ہیں۔ شیخ الاسلام ہرویؒ فرماتے ہیں کہ الٰہیٰ تو نے اپنے دوستوں کے ساتھ یہ کیا معاملہ کیا ہے۔

تشریح:

یہ عجیب مقولہ ہے کہ الٰہیٰ تو نے اپنے دوستوں کے ساتھ یہ کیا معاملہ کیا ہے۔

متن:

کہ جس نے ان کو پہچانا تجھ کو پالیا اور جب تک تجھ کو نہ پایا ان کو نہیں پہچانا اس گروہ کے ساتھ بغض و عناد رکھنا زہرِ قاتل ہے اور ان پر طعن کرنا (نیک کاموں سے) ہمیشہ کی محرومی کا باعث ہے، **نَجَّانَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ عَنْ ھٰذَا الْاِبْتِلَاءِ** (اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اس

آزمائش سے بچائے) شیخ الاسلام نے فرمایا ''الٰہیٰ جس کو تو اپنے دربار سے مردود کرنا چاہتا ہے اس کو ہمارا مخالف بنادیتا ہے''۔ بیت

بے عنایاتِ حق وخاصانِ حق
گر ملک باشد سیہ ہستش ورق
لطفِ حق اور لطفِ خاصاں کے بغیر
ہو فرشتہ بھی، عمل اس کا تباہ

تشریح:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ایک بہت اہم بات فرمائی ہے، اس کو جاننے کی ضرورت ہے۔ حضرت نے جو مقولہ ذکر کیا ہے کہ الٰہی تونے اپنے دوستوں کے ساتھ یہ کیا معاملہ کیا ہے کہ جس نے ان کو پہچانا اسے تجھ کو پالیا اور جب تک تجھ کو نہ پایا ان کو نہیں پہچانا۔ اس کی تشریح کے لئے ہم ایک آیت مبارکہ سے مدد لیں گے۔ خاصانِ حق کو پہچاننے کے لئے انسان کے دل میں بنیادی طور پر ایک اخلاص ہونا چاہئے اور للّٰہیت ہونی چاہئے کہ میں وہاں تک پہنچ جاؤں اور پھر اس کے لئے کوشش ہونی چاہئے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں: ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (العنکبوت:69)

اس میں یہی بات ہے کہ جب آپ للّٰہیت کے ساتھ کوشش کرتے ہیں کہ میں خاصان حق تک پہنچ جاؤں تو اللہ تعالیٰ آپ پر وہ راستے کھول دیتا ہے اور آپ ان تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہ ابتدائی مرحلہ ہے کہ جس نے تجھ کو نہیں پہچانا، اس کے پاس للّٰہیت نہیں ہے۔ یعنی جو اس مقصد کے لئے

کوشش نہیں کرتا وہ ایسے لوگوں تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔ ایسے لوگوں تک پہنچنے کے لئے یہ چیز چاہئے ہوتی ہے۔ اور جو لوگ یہاں تک نہیں پہنچے، وہ تجھے کیسے پائیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک تک پہنچنے کا طریقہ کار وہی بتائیں گے۔ جب تک آپ لوگ ان تک نہیں پہنچیں گے تب تک آپ کو یہ راستہ نہیں ملے گا؟ ابتدا میں نیت صحیح ہونی چاہئے اور ہمت ہونی چاہئے اور اس کے لئے کوشش ہونی چاہئے تاکہ ان لوگوں تک پہنچا جاسکے۔ پھر اس کے بعد ان لوگوں کی بات ماننی چاہئے اور اس کے مطابق پوری جدوجہد کرنی چاہئے۔ ان کی نگرانی میں سلوک طے کرنا چاہئے تاکہ انسان اللہ پاک کو پالے۔ یہ کوئی نئ بات نہیں ہے۔ پہلے وقتوں میں باقاعدہ یہی طریقہ کار ہوتا تھا۔ آپ حضرات گذشتہ بزرگوں کے واقعات پڑھ لیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ بزرگوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ علم حاصل کر لیتے۔ اس کے بعد معرفت حاصل کرنے کے لئے باقاعدہ شیخ کامل کی تلاش میں نکلتے۔ اور شیخ کامل ان کو قریب نہیں ملتا تھا۔ کوئی دو سو میل پہ ہے، کوئی چار سو میل، کوئی نو سو میل اور کوئی ہزار میل پہ ہے۔ آپ پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح پڑھ کے دیکھیں۔ یہ افغانستان کے بزرگ ہیں اور وہاں سے اجمیر شریف، ہندوستان گئے ہیں۔ وہاں ان کی تربیت ہوئی ہے۔ پھر مردان کے علاقے میں کام کرنے کا حکم ہوا تو یہاں بونیر کے پاس آگئے اور پھر ساری عمر یہیں گزاری۔ افغانستان نہیں گئے۔ یہ طریقہ کار ہوا کرتا تھا۔ لوگ اس مقصد کے لئے اتنی دور دور تک جاتے تھے۔ یہ ہمارے بابا زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ ملتان کے ہیں اور اپنی اصلاح کے لئے بغداد شریف تک کا سفر کیا۔

ہمارے حضرات اس مقصد کے لئے بڑے بڑے مجاہدے کرتے تھے۔ بڑی محنتیں کرتے تھے اور پھر ایسے حضرات کو پاتے تھے۔ اس کے بعد ان سے فیض حاصل کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم

سب کو سمجھ عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مقاماتِ قطبیہ و مقالاتِ قدسیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”مقاماتِ قطبیہ و مقالاتِ قدسیہ“ کے آج کے درس میں کتاب ہذا کی نئی فصل شروع ہو رہی ہے۔

حضرت حلیم گل بابا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

متن:

فصل

حضرت شیخنا شیخ رحمکار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نماز کے بیان میں

اسرارِ ایمان کے بعد نماز کے اسرار واقع ہیں۔ اور اس کی اہمیت کے بارے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ (البقرہ:238)”نماز کی حفاظت کرو بالخصوص درمیانی نماز کی“ اور صاحبِ شریعت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ بھی اس پر دلیل ہے کہ ”**اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ**“ (شعب الإيمان للبيهقي، كتاب الصلوة، رقم الحديث:2550) ”نماز دین کا ستون ہے“ لیکن اے بھائی! نماز کی صحت کے لیے اہم شرط طہارت، پاکی یعنی وضو ہے کہ بغیر طہارت کی نماز کا کوئی حاصل نہیں۔ اور اسی بارے میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا ہے کہ ''**مِفْتَاحُ الصَّلٰوۃِ الطَّھُوْرُ**''(سنن الترمذی، أبواب الطھارۃ، باب: ماجاء أن مفتاح الصلوۃ الطھور، رقم الحدیث: 03) یعنی طہارت نماز کی کنجی اور کلید ہے۔ اور طہارت کے مبارک سلسلے میں پہلا مرحلہ اعضاء اور انداموں کا نجاست سے پاک کرنا ہے۔ خواہ پانی سے پاک کیا جائے یا کہ مٹی سے۔ (یعنی تیمم کی صورت میں) پس اے بھائی! یہ تو اعضاء کا نجاست سے پاک کرنا ہے۔ مگر درجۂ دوم میں اندرون اور باطن کو برے اخلاق اور خصلتوں سے مثلاً حرص، غرور، بغض اور جو اس طرح کی بری عادتیں ہوں سے پاک وصاف کرنا ہے۔ پس اے برادرِ عزیز! جب تم اپنے باطن کو ان بُرے خصائل سے پاک کروگے تو تمہارا وضو کامل ہو جائے گا۔ اور تب تمہاری نماز کو اللہ تبارک وتعالیٰ قبول فرمائے گا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''**لَا تُقْبَلُ الصَّلٰوۃُ إِلَّا بِطَھُوْرٍ**''(سنن الترمذی، أبواب الطھارۃ، رقم الحدیث: 1) یعنی کامل وضو کے بغیر نماز قبول نہیں کی جاتی۔ اور شیخ شبلی علیہ الرحمۃ فرما چکے ہیں کہ ''**وَ الْوُضُوْءُ اِنْفِصَالٌ وَّ الصَّلٰوۃُ اِیْصَالٌ وَّ مَنْ لَّمْ یَنْفَصِلْ لَمْ یَتَّصِلْ**'' ''وضو ماسوا سے جدا ہونا ہے اور نماز اللہ تعالیٰ سے ملنا اور اتصال ہے۔ پس جو کوئی (دنیا سے) جدا نہ ہو، (اللہ تبارک وتعالیٰ) سے اتصال کی سعادت حاصل نہیں کر سکتا'' پس اس بات میں پوشیدہ نکتہ یہ ہے کہ اگر ماسویٰ اللہ سے تجھے جدائی حاصل نہ ہو، تو ''**لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ**'' کی لذتِ اتصال نماز میں ہر گز حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور مجھے مکمل یقین ہے اور امید واثق رکھتا ہوں کہ ہمارے شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یہی مذکورہ طہارت اور

مندرجہ بالا نماز کی کیفیت اچھی طرح سے حاصل تھی۔ کیونکہ فرمایا گیا ہے کہ ''اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ'' (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الایمان، رقم الصفحۃ: 1/55، دار المعرفۃ، بیروت) ''نماز مؤمن کی معراج ہے'' کی کیفیت ان میں ظاہر اور نمایاں تھی۔

تشریح:

نماز کا موضوع بڑا اہم موضوع ہے۔ انسان جس وقت ایمان لا کر مسلمان ہو جاتا ہے تو اس پر سب سے پہلے جس فرض کی ادائیگی لازم ہوتی ہے، وہ نماز ہے۔ اس لئے جو لوگ ایمان لاتے ہیں ان کو سب سے پہلے نماز سکھائی جاتی ہے۔ رمضان شریف کے روزے تو سال میں ایک دفعہ آتے ہیں۔ زکوٰۃ بھی سال میں ایک دفعہ فرض ہوتی ہے۔ حج عمر بھر میں ایک دفعہ فرض ہوتا ہے۔ لیکن نماز ہر دن میں پانچ دفعہ پڑھی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس چیز کی ضرورت زیادہ اور مستقل ہوتی ہے، اس کا انتظام بھی اُسی لحاظ سے کیا جاتا ہے۔ چوں کہ نماز کے اندر جو روحانیت ہے، وہ ہمارے لئے مستقل طور پر ضروری ہے، اس لئے نماز کو دن میں پانچ دفعہ فرض قرار دیا گیا ہے، تاکہ ہمیں وہ نعمت حاصل ہوتی رہے۔

یہاں دو چیزیں ہیں: ایک نماز کا ظاہر ہے اور ایک نماز کا باطن ہے، جیسا کہ ہر چیز میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اصلاحِ قلب کا تعلق نماز کے ساتھ ایسا ہے، جیسا ہماری آنکھ، کان اور زبان کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ صفائیٔ قلبی کا نماز کے ساتھ یہی تعلق ہے۔ مثلاً: اگر دل صحیح ہو، تو آنکھیں، کان اور زبان بھی صحیح استعمال ہوں گے۔ ان کا آپس میں interaction (تعلقِ عمل) ہے۔ اگر دل صحیح نہ

ہو، تو کان، زبان اور آنکھیں بھی غلط استعمال ہو رہی ہوتی ہیں۔ لیکن ان چیزوں کو ٹھیک کرنے کا نظام دو رُخی ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ ان چیزوں کا استعمال ارادتاً صحیح ہو، بے شک تکلیف ہو، کیوں کہ ابتدا میں تکلیف ہوا کرتی ہے۔ اس کے لئے مجاہدہ ہے۔ جب یہ چیزیں درست ہونے لگتی ہیں، تو دل درست ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

پھر اس کے ساتھ مزید صحبتِ صالحین ہے۔ اس کے ذریعے سے بھی دل بنتا ہے۔ جب دل بنا ہو، تو پھر اعضاء بھی صحیح استعمال ہوں گے۔

یہ ساری باتیں میں نے کیوں کہی ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ درمیان میں ایک نقطہ لوگوں کے ذہن میں آ سکتا تھا کہ اللہ پاک فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ (العنکبوت:45)

ترجمہ: "بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے"۔

پس ہم کہتے ہیں کہ اگر نماز بے حیائی کی باتوں اور منکرات سے روکتی ہے، تو یہاں پر جو شرط بیان کی گئی ہے کہ دل کو تمام چیزوں سے خالی ہونا چاہئے، اس شرط میں output ہے اور نماز اس میں input ہے یعنی ہم نماز شروع کریں گے، تو وہ چیز حاصل ہو گی، لیکن یہاں اس کا الٹ بتایا جا رہا ہے کہ یہ چیزیں حاصل ہوں گی، تو نماز ٹھیک ہو گی۔ یہ اشکال لوگوں کے ذہن میں آ سکتا تھا، اس لئے میں نے دل، آنکھ، کان اور زبان کی مثال دے کر یہ بات سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ وہاں

پر بھی صورتِ حال اسی طرح ہے اور یہاں پر بھی صورتِ حال اسی طرح ہے۔ نماز ان اعضاء میں تبدیلی لاتی ہے اور یہ اعضاء نماز کو تبدیل کرتے ہیں۔ ان کا آپس میں اس طرح سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ اس کو ہم visual circle (بصری دائرہ) کہتے ہیں۔ یہ دائرہ دونوں طرح چلتا ہے۔ اگر یہ خرابی کی طرف چلے، تو پھر خرابی ہو گی اور اگر ٹھیک ہونے کی طرف چلے، تو پھر تیزی کے ساتھ درستگی ہو گی۔ اس لئے کہیں سے اس کا سرا پکڑنا پڑے گا۔ ہم کہاں سے اس عمل کو شروع کریں؟ تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے بتکلف نماز کو درست کرنا پڑے گا، جس کے ذریعے سے یہ چیزیں بھی ٹھیک ہوں گی۔ جب یہ چیزیں ٹھیک ہوں گی، تو آپ کی نماز بھی درست ہونا شروع ہو جائے گی اور مزید اچھی ہوتی چلی جائے گی، گویا خیر کی طرف سلسلہ چل پڑے گا۔ مثال کے طور پر، چھوٹا سرکل، پھر چھوٹا سرکل، پھر چھوٹا سرکل؛ اس طرح آپ لیتے جائیں، تو ایک سرنگ سی بنتی جائے گی، جس کا آخری پوائنٹ ایک نقطہ ہو گا۔ بالکل اسی طریقے سے اگر آپ نقطہ سے بڑا کرتے جائیں اور بڑا کرتے جائیں، تو ایک سے دوسرا بڑا سرکل بنتا جائے گا۔ پس یہ دونوں نظام ہماری نماز کے اندر موجود ہیں۔ میں حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آپ کو ایک گواہی بتاتا ہوں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بڑے خلیفہ ہیں، جن سے باقاعدہ ایک دوسرا سلسلہ چلا ہے یعنی سلسلہ مجددیہ بنوریہ۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ کے جو اولین شارحین ہیں، ان میں سے ایک حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ہمارے ملک میں سلسلہ مجددیہ زیادہ تر انہی کے ذریعے سے پہنچا ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لائے، عارفانہ مجلس قائم ہے اور آپس میں بات چیت ہو

رہی ہے۔ اتنے میں نماز کا وقت ہو جاتا ہے۔ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ علماء کی بہت قدر کرتے تھے۔ کاکا صاحب رحمہ اللہ حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے فرماتے ہیں کہ آیئے! آپ نماز پڑھایئے۔ حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ حضرت! دوسری جو بھی بات منوانا چاہیں، مان لوں گا، لیکن یہ بات نہیں مان سکتا۔ اسی لئے تو میں آیا ہوں کہ آپ کے پیچھے نماز پڑھوں۔ لہذا یہ نعمت آپ مجھ سے نہ چھینیں۔ ویسے بھی شرعی طریقہ ہے کہ صاحبِ بیت نماز پڑھاتا ہے۔ بہر حال! کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نماز پڑھائی۔ اس کے بعد آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں (اور وہ کوئی معمولی گواہی نہیں ہے) آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے جو نماز پڑھی ہے اور جو کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے، اس نماز کے علاوہ کوئی دوسری نماز ایسی نظر نہیں آتی۔ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معاملہ کچھ یوں تھا کہ وہ ہر چیز میں باطن کا بہت خیال رکھتے تھے۔ نگہداشت کا معاملہ ان میں بہت زیادہ تھا اور مجاہدہ کا عنصر بھی ان کے ہاں کافی تھا۔ نتیجتاً وہ ہر وقت اپنے نفس کی نگہداشت کرتے رہتے تھے اور جو بھی چیز ان کو ٹھیک معلوم نہ ہوتی، اس کے لئے مطلوبہ مجاہدہ کر کے اس چیز کو صاف کر لیتے تھے۔ جیسے بعض عورتیں اپنے گھروں کو بہت صاف رکھتی ہیں، ان کو اس وقت تک اطمینان نہیں ہوتا، جب تک گھر صاف نہ ہو۔ اگر کوئی آدمی گھر کا سامان آگے پیچھے کر دے، تو فوراً ان کو بے چینی ہوتی ہے۔ یہ ان کا ذوق ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض حضرات کا قلبی ذوق ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے قلب کے اوپر کسی چیز کا بوجھ نہیں رکھتے۔ جیسے کوئی چیز ان کے دل پر بوجھ بنتی ہے، تو فوراً وہ اس کو صاف کر دیتے ہیں۔ کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی تھا کہ وہ اپنے

دل کو ہر وقت صاف رکھتے تھے۔ مجاہدہ کے ذریعے سے اپنے نفس کو کنٹرول کرتے رہتے تھے۔ نتیجتاً ان کی نماز ایک الگ نوعیت کی نماز تھی۔

اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ نماز کیسے کامل بنتی ہے؟ نماز کے اندر مقصودِ اعلی عبدیتِ کاملہ ہے اور عبدیتِ کاملہ کامل توجہ کے ذریعے سے حاصل ہو سکتی ہے کہ اپنے محبوب کی طرف کامل توجہ ہو۔ اور کامل توجہ اس طرح حاصل ہو سکتی ہے کہ جو چیزیں توجہ کو خراب کر سکتی ہیں، وہ کم سے کم ہوں یا بالکل نہ ہوں۔ اب اگر کسی شخص میں توجہ کو disturb (خراب) کرنے والی چیزیں زیادہ ہوں اور وہ ان چیزوں کے سامنے کمزور بھی ہو، ان چیزوں کے مقابلے میں وہ ڈٹ بھی نہ سکتا ہو یعنی مجاہدہ نہ کر سکتا ہو، کیوں کہ ڈٹنا مجاہدہ ہے اور وہ مجاہدہ نہ کر سکتا ہو، تو نتیجتاً اس کا ذہن ان چیزوں کی طرف چلا جائے گا۔ اگر توجہ کو خراب کرنے کی چیز دکان ہے، تو دکان کی طرف ذہن چلا جائے گا۔ اگر وہ کاروبار ہے، تو کاروبار کی طرف ذہن چلا جائے گا۔ اگر کوئی شخص سٹوڈنٹ ہے، تو سٹوڈنٹ کا ذہن پڑھائی کی طرف چلا جائے گا۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شعبے کا ہو گا، تو اس کا ذہن اسی شعبے کی چیز کی طرف چلا جائے گا۔ پس اس کو کامل توجہ حاصل نہیں ہو گی۔ نتیجتاً اس کو عبدیتِ کاملہ حاصل نہیں ہو گی۔ جب عبدیتِ کاملہ حاصل نہیں ہو گی، تو اس کو صلوٰۃِ کاملہ بھی حاصل نہیں ہو گی۔

اب دیکھیں! ایک ہمارا وضو ہے، جس کو عام وضو کہتے ہیں۔ اس وضو کے بغیر تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ اکثر میں عرض کرتا رہتا ہوں کہ لوگ شریعت اور طریقت کے بارے میں ڈانواں ڈول رہتے ہیں، جس کی وجہ سے پریشان رہتے ہیں۔ کچھ لوگ شریعت کی بات اس طرح کرتے ہیں کہ

طریقت کو بھول جاتے ہیں اور کچھ لوگ طریقت کی بات اس طرح کرتے ہیں کہ شریعت کو بھول جاتے ہیں، حالانکہ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ شریعت بنیاد ہے، جس کے بغیر کام نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا شرعی وضو بنیاد ہے۔ اگر یہ نہیں ہو گا، تو بے شک آپ کا دل کتنا ہی پاک کیوں نہ ہو، کچھ بھی حاصل نہیں ہو گا۔ یہ بات بالکل ایسی ہی ہے، جیسے بے پردہ عورتوں سے جب پردہ دار عورتیں کہتی ہیں کہ آپ پردہ کیوں نہیں کرتیں؟ تو وہ کہتی ہیں کہ بس دل صاف ہونا چاہیئے، دل پاک ہونا چاہیئے۔ بھائی! دل کیسے پاک ہو گا؟ دل کی پاکی کی علامت تو آپ میں پائی نہیں جاتی!! یہ بات ان کو سمجھانا بڑا مشکل ہوتا ہے، حالانکہ یہ بالکل واضح بات ہے۔ جس کا دل پاک ہو گا، وہ پردہ کے اس حکم پر ضرور عمل کرے گا۔ اس حکم پر عمل نہ کرنا ہی انسان کے دل کی ناپاکی کی دلیل ہے۔ output کے لحاظ سے بھی ایک دلیل موجود ہے کہ امہات المؤمنین، جن کو قرآن پاک کی نصِ صریح میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم پردہ کرو، کیا ان کے دل پاک نہیں تھے؟ اس لئے یہ بات کہ "بس دل پاک ہونا چاہیئے، پردے کی کوئی ضرورت نہیں" یہ شریعت سے بغاوت کے زمرے میں آتی ہے۔ یہ بہت خطرناک بات ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ بس دل پاک ہونا چاہیئے اور اس وجہ سے وہ اس وضو کو چھوڑ کر کسی باطنی وضو کی بات کرتا ہے، تو وہ انہی باطنیین میں سے ہو گا، جو گمراہ ہو گئے تھے۔ اور اسی طرح جو لوگ ظاہر کی طرف آجاتے ہیں اور باطن کو بالکل چھوڑ دیتے ہیں، تو وہ ظاہری لوگ ہیں۔ وہ بیچارے خشک زاہد ہیں اور اصل چیز کی طرف نہیں پہنچ سکے۔ پس شرعی وضو تو بنیاد ہے، کیوں کہ اگر آپ اعضاء کو پاک نہیں کرو گے تو یہ صراحتاً اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی ہو گی۔ لیکن باطن یہ ہے کہ اس وضو کو کر کے پھر شریعت کے مطابق اللہ کی نافرمانی سے بچ

کر طریقت کے ذریعے سے اس وضو کو مزید طاقتور بنالیں۔ طریقت کے اندر طاقت ہے۔ حدیث میں جو احسان کا لفظ آیا ہے، اس کا مطلب ہے: کسی چیز کو بہت اچھی طرح کرنا۔ طریقت کے ذریعے سے ہم لوگ چیزوں کو اچھا بنالیتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ بس صرف طریقت ہے اور شریعت کچھ نہیں۔ شریعت بنیاد ہے، جس کے اوپر مزید روحانیت کا structure (ڈھانچہ) طریقت کے ذریعے استوار ہوتا ہے۔ اس لئے حضرت نے پہلے شریعت والا وضو بتادیا کہ شریعت کا وضو کیا ہے؟ چنانچہ فرمایا:

متن:

پہلا مرحلہ اعضاء اور انداموں کا نجاست سے پاک کرنا ہے۔ خواہ پانی سے پاک کیا جائے یا کہ مٹی سے۔

تشریح:

یہ شریعت والا وضو ہے، جس کے مطابق ہم وضو کرتے ہیں۔ پھر اس کے بعد فرمایا:

متن:

مگر درجۂ دوم میں اندرون اور باطن کو برے اخلاق اور خصلتوں سے مثلاً حرص، غرور، بغض اور جو اس طرح کی بری عادتیں ہوں سے پاک وصاف کرنا ہے۔ پس اے برادرِ عزیز! جب تم اپنے باطن کو ان بُرے خصائل سے پاک کروگے تو تمہارا وضو کامل ہو جائے گا۔

تشریح:

یعنی اس طرح ظاہراً اور باطناً تمہارا وضو کامل ہو جائے گا۔ یہاں اسی بات کی طرف اشارہ

ہے۔ بہر حال! ہم لوگوں کو ان دونوں باتوں کا خیال رکھنا پڑے گا۔ ہم لوگ نماز کے لئے اپنے قلوب کو پاک کریں اور اعضاء وضو کو بھی پاک کریں۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ صوفی اقبال صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کچھ آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت نے فرمایا: بھائی! نماز کے لئے ذہن بناؤ، نماز پڑھنی ہے۔ شاید یہ بات کسی نے کسی سے بھی نہیں سنی ہو گی کہ نماز کے لئے ذہن بناؤ۔ لوگ اکثر باتیں کرتے جاتے ہیں اور نماز میں کھڑے ہو جاتے ہیں، حالانکہ نماز بہت بڑی چیز ہے۔ جب کوئی شخص کسی بڑے افسر یا کسی بڑے عہدہ والے شخص سے ملتا ہے، تو کیا اسی طرح ملتا ہے؟ نہیں، بلکہ پہلے خوب اچھی طرح اپنے آپ کو صاف ستھرا کر کے، جتنا وہ کر سکتا ہے، کرتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ ملتا ہے، حالانکہ عام طریقے سے بھی آپ مل سکتے ہیں۔ لیکن صاف ستھرا ہو کر ملنے کا اپنا اثر پڑتا ہے۔ بالکل اسی طریقے سے نماز کے لئے ذہن بنانے کا مطلب یہی ہے کہ آپ اپنے آپ کو یہ سمجھائیں کہ میں کس کے ساتھ ملنے جا رہا ہوں۔ میں کیا کرنے لگا ہوں۔ اس بات کو پہلے انسان اپنے ذہن میں لائے اور پھر اس کے مطابق جتنا ہو سکتا ہے، اپنے آپ کو درست کر کے نماز پڑھنا شروع کر دے۔ جس نماز میں آپ نے ارادتاً اس طرح کر لیا، چاہے آپ نے تھوڑا ہی کیوں نہ کیا ہو، آپ نے اس نماز میں ایک Nucleation Point بنا لیا یعنی آپ نے starting points بنا دیئے۔ آپ نے پہلے پوائنٹ پر ایک سرکل draw کر لیا۔ اس کے بعد مزید آپ نماز کے اندر جتنی یکسوئی لا سکتے ہو، لے آؤ، تاکہ آپ کی نماز کامل ہو۔ اور یہ اس وقت ہو گا جب ہم رذائل سے پاک ہوں گے۔ جتنا جتنا ہم رذائل سے پاک ہوتے جائیں گے، اتنی اتنی ہماری نماز کامل ہوتی جائے گی۔ اس لئے رذائل سے پاک ہونا ہمارے لئے ضروری ہے۔ جتنا ہم اپنے آپ کو رذائل سے پاک

کر سکتے ہیں، کر لیں۔ اس کے بعد پھر نماز کے ذریعے ہم مزید بہتر ہو جائیں گے۔ گویا کہ آپ کا سرکل چھوٹے سے چھوٹا ہونے کی طرف آتا جائے گا۔ جتنا سرکل بڑا ہو گا، اتنا انتشار زیادہ ہو گا اور جتنا سرکل چھوٹا ہو گا، اتنا انتشار کم ہو گا۔ پس جب آپ زیادہ انتشار سے کم انتشار کی طرف آتے آتے نقطۂ وحدت پر پہنچ جائیں گے، تو ان شاء اللہ آپ کو درجۂ احسان حاصل ہو جائے گا۔ اس لئے فرمایا: ''**لَا تُقْبَلُ الصَّلٰوةُ إِلَّا بِالْوُضُوْءِ الْكَامِلِ**'' ''**اَلْوُضُوْءُ اِنْفِصَالٌ**'' وضو ان تمام چیزوں سے جو نقصان پہنچانے والی ہیں، اپنے آپ کو ہٹانے کا نام ہے ''**وَالصَّلٰوةُ اِيْصَالٌ**'' اور نماز اللہ تعالیٰ سے ملانے کا نام ہے۔ ''**وَمَنْ لَّمْ يَنْفَصِلْ، لَمْ يَتَّصِلْ**'' جس شخص نے اپنے آپ کو ان تمام چیزوں سے جدا نہیں کیا، وہ اللہ پاک کے ساتھ نہیں مل سکتا۔

متن:

پس اس بات میں پوشیدہ نکتہ یہ ہے کہ اگر ماسویٰ اللہ سے تجھے جدائی حاصل نہ ہو، تو ''**لِيْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ**'' کی لذتِ اتصال نماز میں ہر گز حاصل نہیں ہو سکتی۔

تشریح:

''**لِيْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ**'' یہ حدیث شریف ہے۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث شریف پر کافی کلام فرمایا ہے۔ حضرت کے مکتوب شریف ''جذب و سلوک کی حقیقت'' میں اس حدیث کی تشریح کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور وہ ہماری کتاب میں شامل ہے۔

متن:

اور مجھے مکمل یقین ہے اور امید واثق رکھتا ہوں کہ ہمارے شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یہی مذکورہ طہارت اور مندرجہ بالا نماز کی کیفیت اچھی طرح سے حاصل تھی۔ کیونکہ فرمایا گیا ہے کہ "اَلصَّلٰوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ" (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الإیمان، رقم الصفحۃ: 1/55، دار المعرفۃ، بیروت) "نماز مؤمن کی معراج ہے" کی کیفیت ان میں ظاہر اور نمایاں تھی۔

نماز کے لیے ﴿أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ﴾ (الاسراء:78) چاہیے اور قیام کے لیے سمت اور طرف چاہیے اور وہ سمت قبلہ ہے۔ اور اے برادر عزیز! اجسام اور قالب کا قبلہ تو وہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (البقرہ:144) "بے شک ہم دیکھتے ہیں بار بار اٹھنا تیرے منہ کا آسمان کی طرف، سو البتہ پھیر دیں گے ہم تجھ کو جس قبلہ کی طرف تو راضی ہے۔ اب پھیر اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف" لیکن روح کا قبلہ یہ قبلہ نہیں بلکہ روح کا قبلہ وہ ہے ﴿لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ (البلد:1) "قسم کھاتا ہوں میں اس شہر کی" تم جانتے ہو اور اہل ظواہر جانتے ہیں کہ یہ شہر مکہ مکرمہ ہے اور جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر کی پیدائش کا مقام ہے، لیکن فی الحقیقت مکہ مکرمہ کا یہ شہر وہ مقام ہے کہ جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ اقدس کی ولادت ہوئی ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "أَنَا مِنْ نُّوْرِ اللهِ وَوُلِدْتُّ فِيْ هٰذَا الْبَلَدِ وَهُوَ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَفِيْ عَرْشِ الرَّحْمٰنِ

لَا لَيْلٌ وَّلَا نَهَارٌ وَّلَا أَرْضٌ وَّلَا سَمَاءٌ '' (لم أجد ھذا الحدیث) ''میں اللہ تعالیٰ کے نور سے ہوں اور اس شہر میں میری ولادت ہوئی ہے اور یہ رحمٰن کا عرش ہے اور رحمٰن کے عرش میں نہ رات ہوتی ہے اور نہ دن اور نہ زمین ہوتی ہے اور نہ آسمان'' اے بھائی! ایک جہان یعنی بہت سے لوگ بغیر قبلہ کے نماز پڑھتے ہیں تاکہ قرب حاصل کریں اور اس قبلہ کے بغیر اپنی پیشانیاں رگڑتے رہے ہیں اور رگڑتے جارہے ہیں۔ مگر اس کا کچھ فائدہ نہیں اور انبیاء علیہم السلام اور اولیا کرام رحمۃ اللہ علیہم نے بھی اس قبلہ کی جانب نماز ادا فرمائی ہے، تب اُن کو نبوت اور ولایت کا ثمرہ حاصل ہوا ہے۔ خداوندِ عالی کی قسم! اگر یہ حضرات اس قبلہ کے بغیر ہوتے تو کبھی بھی نبوت اور ولایت کا ثمرہ نہ چکھتے۔ اور اے بھائی! اگر تم کو ایک ہزار سال عُمر نصیب ہو اور اہل ظواہر کو بھی اتنی ہی عمر نصیب ہو جائے اور تم ساری عمر نماز پڑھو اور وہ بھی نماز پڑھتے رہیں۔ قبلۂ مذکور کے بغیر کبھی بھی قربِ الٰہی حاصل نہیں کرسکتے۔ چنانچہ شفیع المذنبین رحمۃ اللہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''**يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَّجْتَمِعُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ لَيْسَ فِيهِمْ مُؤْمِنٌ**'' (المستدرک للحاکم، کتاب الفتن والملاحم، رقم الحدیث:8365) ''لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ مسجدوں میں اکٹھے ہوں گے لیکن ان میں کوئی مؤمن نہیں ہو گا'' کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ کن لوگوں کی جانب اشارہ ہے؟ اے برادرِ عزیز! نماز وہ ہے جس کے بارے میں سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے حضرتِ جلیل سے خود اپنے بارے میں اور اپنی اولاد کے بارے میں دُعا فرمائی تھی کہ ﴿**رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ**﴾ (ابراہیم:40) ''اے میرے

رب کر مجھ کو کہ قائم رکھوں نماز اور میری اولاد میں سے بھی" اور اولیاء اللہ کے سردار حضرت علی حیدر کرار کرم اللہ وجہہٗ نے بھی فرمایا ہے: ''**وَاللّٰهِ لَمْ أَعْبُدْ مَا لَمْ أَرَهُ**'' (**مِيْزَانُ الْحِكْمَةِ لِلرَّيْشَهْرِيْ بِتَغْيِيْرٍ قَلِيْلٍ وَهُوَ مِنْ عُلَمَاءِ الشِّيْعَةِ الشَّنِيْعَةِ، رَقْمُ الصَّفْحَةِ: 1905/3**) کہ قسم خدا کی! میں نے کبھی اس کی عبادت نہیں کی جس کو میں نے دیکھا نہیں۔ یعنی اے بھائی! اللہ تعالیٰ کی نماز تو وہ ہے جس میں بندہ اللہ تعالیٰ سے راز کی باتیں کہے۔ اور بندہ کا قیام اِس مذکورہ قبلہ کی جانب مندرجہ بالا طہارتِ کاملہ کے ساتھ ہو، جیسا کہ اولیاء میں سے خاص ولی اللہ کو۔ جیسا کہ اس زمانے میں ہمارے شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

تشریح:

یہ بہت بڑا علم ہے۔ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔ یہ مسئلہ آج کل بہت زیادہ گہرا ہے، کیونکہ لوگ ظاہر کی طرف جارہے ہیں۔ لیکن اس وقت کا ظاہر دوسرا تھا اور آج کل کا ظاہر دوسرا ہے۔ اکثر میں ایک بات عرض کرتا رہتا ہوں، اللہ مجھے معاف کردے۔ وہ یہ کہ میں کہتا ہوں کہ لوگ mechanical (مکینیکل) ہوتے جارہے ہیں، ہر ایک نے کسی ایک ظاہری چیز کو پکڑا ہوا ہے اور اس کے مطابق عمل کررہا ہے اور یہ سمجھ رہا ہے کہ مجھے اس سے وہ چیز حاصل ہوگئی۔ مثلاً: حجرِ اسود ہے۔ حجرِ اسود کو بوسہ دینا بہت محبوب عمل ہے، اس کا ثواب ہے اور یہ بڑی اونچی فضیلت ہے، لیکن کسی آدمی کو اپنی ذات کے لئے دھکا دینا یا کسی کو تکلیف دینا؛ یہ حرام ہے۔ اب اگر آپ لوگوں کو دھکے دے کر اور حرام کا ارتکاب کر کے ایک مستحب چیز کو حاصل کرلیں گے، تو اس سے کیا حاصل ہوگا؟ آپ مجھے بتائیں کہ اس وقت حج پر کتنے لوگ آئے ہوئے ہیں؟ بہت سے لوگوں کو تو

اس بارے میں پتا ہی نہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور بہت سے لوگوں کو پتا ہوتا ہے لیکن استحضار نہیں ہوتا، عین وقت پر بھول جاتے ہیں۔ شاید حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات پر بہت کلام فرمایا ہے کہ اگلی صف کا چوں کہ بہت زیادہ اجر ہے، اس کے لئے بعض بڑے اچھے اچھے لوگ، جن کے بارے میں حکم ہے کہ وہ امام کے قریب رہیں، وہ لوگوں کو دھکا دے کر خود اگلی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ لوگ ایسا صرف ظاہر بینی کی وجہ سے کرتے ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ اگر ان کو پتا ہوتا کہ اصل چیز کیا ہے، تو یہ حضرات خود آگے ہونے کے بجائے لوگوں کو آگے کرتے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ جو شخص خود پیچھے ہو گیا، تو پھر اس کو پیچھے کیا جائے گا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ بات اس شخص کے بارے میں ہے کہ جو سستی کی وجہ سے پیچھے ہو گیا ہو، نہ کہ اکرام کی وجہ سے۔ اکرام کی وجہ سے پیچھے ہونا، پیچھے ہونا نہیں ہے۔ جو شخص اکرام کی وجہ سے پیچھے ہو گیا، اس کے بارے میں تو کہتے ہیں کہ جو شخص کسی اچھے فعل کا ذریعہ بنتا ہے، تو اسے اس کا اجر ملتا ہے۔ اس لئے جس شخص نے کسی بڑے کو آگے کیا، تو وہ اس بڑے کی نماز کا ذریعہ بن گیا، لہذا اس بڑے کی نماز کا سارا اجر اس کو بھی مل گیا۔ اس طریقے سے کیا پتا کہ اس کو کتنا اجر مل جائے۔ لیکن وہی ظاہر بینی، وہی mechanical system (مکینیکل سسٹم) کہ لوگ اس کے ذریعے سے تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ہر عمل کے پیچھے روحانیت ہے۔ اس وجہ سے اکثر میں عرض کرتا رہتا ہوں، اللہ مجھے معاف کرے۔ منہ چھوٹا ہے اور بات بڑی ہے، لیکن کیا کروں، بزرگوں کی بات کو سامنے رکھ کر عرض کرتا ہوں کہ لوگ قرآن کو تصوف سے خالی سمجھتے ہیں، جب کہ قرآن کے ایک ایک لفظ میں تصوف ہے، کیونکہ ہر

لفظ کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے۔ ظاہر کو چھوڑ کر باطن کو حاصل کرنا؛ یہ باطنیین ہیں اور یہ غلط ہے، لیکن ظاہر کو ساتھ رکھتے ہوئے اس کے باطن کو حاصل کرنا؛ یہ روحانیت ہے۔ اگر ظاہر کی چیزوں کو حاصل کر کے آدمی باطن سے فارغ ہو جائے، تو پھر مسائل اٹھتے ہیں۔ یہاں پر جو بحث ہوئی ہے، وہ اسی مقصد کے لئے ہے کہ ایک قبلہ یہ ہے کہ آپ نے اس طرف رخ کرنا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ آپ نے دل اللہ جل شانہ کی طرف کرنا ہے۔ اگر کسی کو اس بات کی سمجھ نہیں ہے، تو بس نہیں ہے۔ لیکن جس شخص کو سمجھ ہے، تو اس کی نماز ہی اس وقت نماز بنے گی جب اس کا دل اللہ کی طرف ہو۔ اللہ تعالیٰ قادر ہیں۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے: ﴿فَاَيۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡهُ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ:115)

ترجمہ: ”لہٰذا جس طرف بھی تم رُخ کرو گے، وہیں اللہ کا رُخ ہے“۔

اس آیت کا مفہوم دو طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔ ایک مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر آپ کو قبلہ کی سمت معلوم نہیں ہے اور آپ نے تحری کر کے کسی خاص سمت کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لی ہے، تو اللہ پاک ادھر بھی ہیں، لہٰذا آپ کی نماز ہو گئی ہے۔

اور دوسرا مفہوم جو کہ اصل بات ہے، وہ یہ ہے کہ دل اللہ کی طرف کرنا ہے اور اس کے لئے تو کوئی خاص سمت نہیں ہے۔ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں عرش رحمٰن پر پیدا ہوا ہوں، جہاں نہ دن ہے اور نہ رات، اور نہ وہاں سمتیں ہیں۔ زمین پر جو دن رات بنتے ہیں، وہ تو سورج کے زمین کے گرد پھرنے کی وجہ سے بنتے ہیں لیکن عرش پر تو زمین نہیں ہے، اس لئے وہاں

کے دن رات دنیا کے دن رات کی طرح نہیں ہوں گے۔ وہاں کا الگ نظام ہو گا۔ بہر حال! یہاں پر یہ فرمایا کہ اگر آپ اس چیز کو حاصل کریں گے، تو پھر آپ کو اصل چیز حاصل ہو گی۔ اب اگر کوئی شخص ایسی نماز پڑھ لے، جس میں صرف ظاہر کا لحاظ کیا گیا ہو، تو نماز تو ہو جائے گی یعنی پھر اس سے نماز کا مطالبہ تو نہیں ہو گا، البتہ نماز کی تکمیل کا مطالبہ ہو گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بے انصافی نہیں ہے۔ لہٰذا جس نے جتنا کیا ہو گا، وہ اس کو مل جائے گا اور جو نہیں کیا ہو گا، وہ اس کو نہیں ملے گا۔ اس لئے حضرت فرما رہے ہیں کہ ان چیزوں کی طرف بھی خیال رکھنا چاہئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بھی اس بارے میں ایک فرمان ہے، اس لئے میں کہتا ہوں کہ یہ ساری چیزیں حدیث شریف میں اور قرآن پاک میں موجود ہیں، لیکن لوگ غور نہیں کرتے۔ اب یہ آثارِ صحابہ میں سے ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں نے کوئی نماز اللہ کو دیکھے بغیر نہیں پڑھی۔ جس وقت میرا دل چاہتا ہے کہ میں اللہ سے بات کروں، تو میں نماز پڑھتا ہوں اور جس وقت دل چاہتا ہے کہ اللہ مجھ سے بات کریں، تو میں قرآن پڑھتا ہوں۔ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے۔

متن:

زمانۂ سابقہ میں محمد حسین صاحب تھے۔ شاید یہ بات اہلِ ظواہر کے دل میں آجائے کہ صلوٰۃ و نماز کے کیا معنیٰ ہیں؟ یہ لفظ یعنی صلوٰۃ ''**صِلَةٌ**'' سے مشتق ہے اور ''**صِلَةٌ**'' وہ ہوتا ہے کہ بندہ کی مناجات اور باتیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوں۔ ''**اَلْمُصَلِّیْ یُصَلِّیْ رَبَّهٗ**'' یعنی نمازی اللہ

تعالیٰ کے ساتھ باتیں کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے معراج کرائی اور آپ وہاں تک پہنچے جہاں عقل کی رسائی ناممکن ہے۔ اچانک غیب کے پردوں سے جس میں شک وشائبہ کی راہ تک نہیں، آواز آئی کہ۔ ''**قِفْ یَا حَبِیْبِیْ**'' ''اے میرے حبیب! ذرا توقف کرو اور ٹھہرے رہو''

بیت:

آمد ندائے بے چوں
نے از درون و بیرون
نے چپ و راست و نے پس
تا کہ ندا برآمد بس

''بے چوں کے ندا آئی جو کہ نہ اندر سے تھی نہ باہر سے، نہ دائیں ہاتھ سے اور نہ بائیں ہاتھ سے اور نہ پیچھے سے، بس ایک ندا آئی اور بس''

محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیوں ٹھہروں؟ دوسری ندا آئی کہ ''**إِنَّ اللهَ يُصَلِّيْ**'' ''اللہ تعالیٰ صلوٰۃ ادا کر رہا ہے'' ''**فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا صَلٰوتُكَ؟**'' ''تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ آپ کی صلوٰۃ کیا ہے؟'' جواباً ندا آئی کہ ''**يَا حَبِيْبِيْ إِنَّ صَلٰوتِي الثَّنَاءُ لِذَاتِيْ ثُمَّ أَشْغُلُ بِثَنَاءِكَ**'' کہ میری صلوۃ (نماز یہ) ہے کہ میں اپنی ثنا کروں، پھر تمھاری ثنا میں مشغول ہو جاؤں۔ جب سید عالم نے یہ ماجرا سنا، اور ان پر ثنا واجب اور

لازم ہوگئی تو عرض کیا کہ "**لَا اُحۡصِیۡ ثَنَاءً عَلَیۡكَ أَنۡتَ کَمَا أَثۡنَیۡتَ عَلٰی نَفۡسِكَ**" (**لم أجد هذه القصة**) "آپ کی ثناء نہیں کی جاسکتی، آپ کی شان ایسی ہے جیسا کہ آپ اپنی ذات کی ثنا خود فرماتے ہیں"۔

تشریح:

اصل میں بات یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کی شان ہماری سمجھ سے باہر ہے اور ہم لوگ اللہ جل شانہ کے بارے میں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں بنا سکتے، اس لئے جس شخص کو اللہ جل شانہ کی جتنی معرفت حاصل ہوتی ہے، وہ اس کے مطابق بات کرتا ہے۔ لیکن عام انسان کو اپنی معرفت سے باتیں نہیں کرنی چاہئیں، ورنہ وہ پکڑ میں آجاتا ہے، کیوں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا بہت خطرناک معاملہ ہے، تو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا تو اس سے بھی بڑھ کر خطرناک ہوگا۔ اس لئے اس مسئلہ میں انسان کو نہیں پڑنا چاہئے۔

بہر حال! بات یہ ہے کہ اللہ جل شانہ مختار ہیں، جو کرنا چاہیں، کریں اور جیسا کرنا چاہیں، ویسا کریں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں۔ عبدیتِ کاملہ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ ہم لوگوں سے جو کام کروانا چاہیں، ہم وہ کام کریں۔ ہمیں اپنی طرف سے غور وخوض کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

متن:

شیخ محمد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شان رسالت کے بارے میں ایک نکتہ بیان فرمایا ہے کہ جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بلند ہمتی سے سر کو قدم بنایا (سر کے بل چلنا محاورہ ہے) تو اس ادب وخلوص کی وجہ سے اس نے کماحقہٗ سیر سے لطف اندوزی فرمائی، اور حسنِ محبوب زیادہ

ہوتا گیا۔ اور ذات صفات میں جلوہ گر ہوا۔ اے بھائی! میں (فرطِ شوق سے) کیا کہوں۔ زمینوں میں آپ کا اسمِ گرامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بولا جاتا ہے، اور آسمانوں میں احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اطراف سے (محاورہ ہے، یعنی جہاں اطراف نہ ہوں) یعنی شش جہات سے پرے میم کو محذوف کیا جاتا ہے۔ (احمد سے میم حذف کیا جائے تو احد رہ جاتا ہے۔ (**وَاللّٰهُ أَعْلَمُ**)

بیت:

آن یار ہماں ست اگر جامہ دگر کرد
او جامہ دگر کرد دگر بار بر آمد
ایں نیست تناسخ سخن وحدت محض است
کز شش جہت ایں قلزمِ زخار بر آمد

"اگر میرے محبوب نے دوسرا لباس پہنا تو وہی محبوب ہے، صرف لباس تبدیل کیا اور دوسری دفعہ نمودار ہوا۔ یہ تناسخ (یا آواگون کا چکر) نہیں بلکہ وحدت اور توحید کی بات ہے

تشریح:

اصل بات یہ ہے کہ ہم لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اللہ کے واسطے سے اور اللہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے جاننا چاہئے۔ یہ ساری بات کا لُبِّ لباب ہے۔ اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو شان بیان فرمائی ہے، بس وہی اصل تعریف ہے، ہم اپنی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری تعریف نہیں کر سکتے۔

حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے تھے: "ولی را ولی مے شناسد، نبی را

نبی مے شناسد" اور پھر فرمایا: خاتم النبیین راخدا مے شناسد" ولی کو ولی جانتا ہے، نبی کو نبی جانتا ہے، کیوں کہ یہ برابر کے ہیں، لیکن خاتم النبیین کے برابر دنیا میں کون ہے؟ وہ تو صرف ایک ہے، اس لئے خاتم النبیین کو صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

ہم انبیاء علیہم السلام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے جانتے ہیں، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن انبیاء کرام کے بارے میں بتایا ہے، ان کو تو ہم جانتے ہیں، باقی انبیاء کرام کو ہم نہیں جانتے۔ اور اللہ تعالیٰ کو بھی ہم ویسے ہی جانتے ہیں، جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے۔ اپنی طرف سے ہم کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ اگر اپنی طرف سے کچھ سمجھیں گے، تو ذمہ دار ہو جائیں گے۔ اس لئے جو راستہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے سے ہٹ کر گزرتا ہے، وہ مردود ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہمارے لئے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان بھی اللہ جل شانہ کی فرمودہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان وہی ہے، جو اللہ پاک نے قرآن پاک میں بیان فرمائی ہے، جو وحی کے ذریعے اتری ہے۔ پس ہم اپنی طرف سے پہچان نہیں کرسکتے۔ ہماری معرفت کے ساتھ اگر نصِ صریح نہیں ہوگی، تو وہ ظنی ہوگی۔ اب بڑی بڑی باتیں موجود ہیں لیکن درمیان میں blanks (خلا) ہیں۔ جن کو پورا کرنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ ہمارے لئے اس خلا کو پُر کرنا بڑا ہی مشکل ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اس کو پُر کردے، تو پھر وہ پُر ہو جاتا ہے اور یہ ساری چیزیں ہماری سمجھ میں آجاتی ہیں۔ جیسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا

قول ہے کہ میں نے کوئی نماز نہیں پڑھی، مگر اللہ کو دیکھ کر۔ اب ہمارے اور اس بات کے درمیان بہت بڑا blank (خلا) ہے، اس لئے ہم اس بات کو کیسے سمجھ سکتے ہیں؟ ہم اس بات کو نہیں سمجھ سکتے۔ البتہ ہم کوشش کریں گے اور کرتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات تک پہنچادیا، تو پھر ہمارے اوپر یہ بات کھل جائے گی۔ اسی طریقے سے قرآن وحدیث اور ہمارے درمیان میں بھی خلا موجود ہے، جس کو پُر کرنے کے لئے پہلے کام کرنا ہوتا ہے اور پھر اس کے بعد وہ چیزیں سمجھ میں آتی ہیں۔ اولیاء اللہ اور اکابرین نے چوں کہ اس خلا کو پُر کرنے کے لئے کام کرلیا ہوتا ہے، اس لئے وہ جب اشارے دیتے ہیں، تو ان اشاروں سے ہم لوگ بھی کچھ نہ کچھ سمجھنے لگتے ہیں۔ لیکن ہم پھر بھی رہنمائی کے محتاج ہوتے ہیں، اس وجہ سے ہم لوگ زیادہ بات نہیں کرسکتے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا تعلقِ خاص نصیب فرمادے۔ چوں کہ ہم لوگ اس وقت حرم میں ہیں، اس لئے حرم میں ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ بات تو نہیں ہو سکتی، لیکن کم از کم ہم اپنے معمولات کو جاری تو رکھ سکتے ہیں، اس لئے ہمارے یہ معمولات، جن میں حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کی تعلیم بھی ہے، وہ ان شاء اللہ جاری رہے گی، لیکن یہ معمولات اوقات کے لحاظ سے ہوں گے۔ جتنا وقت ملے گا، اس کے حساب سے ہم یہ معمولات کرلیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

توضیح المعارف، قسط نمبر: 8

فلسفۂ سائنس اور معرفتِ الٰہی (تیسرا حصہ)

اس کتاب میں حقائق و معارف کو سمجھانے کا جو طریقہ اپنایا گیا ہے، وہ کمپیوٹر پروگرامنگ سے مشابہ ہے۔ یعنی پہلے چند common sense (بدیہی باتوں) کو ذہن نشین کرایا جاتا ہے۔ پھر ان کی مدد سے گہرے حقائق تک پہنچایا جاتا ہے۔

ان حقائق کا جاننا کس شخص کے لئے ضروری ہے؟

ان حقائق کا جاننا ہر ایک کے لئے ضروری نہیں ہے، بلکہ ان کا جاننا یا تو مبتلا کے لئے ضروری ہے یا مقتدا کے لئے۔ مبتلا وہ شخص ہے، جس کا ذہن آج کل کے میڈیا سے متاثر ہو چکا ہو اور وہ دین کی بنیادی باتوں مثلاً: وجودِ باری تعالیٰ کے متعلق شکوک و شبہات کا شکار ہو چکا ہو۔ اور مقتدا وہ شخص ہے، جس نے لوگوں کی دینی رہنمائی کرنی ہو۔

خدا موجود ہے۔ سائنسی دلائل

یعنی اس پورے عالم کا کوئی خالق ہے۔ اس کے لئے سب سے پہلے اس بات کی تحقیق کی جائے کہ کیا فاعل کے بغیر کوئی فعل ہو سکتا ہے؟

نیوٹن کا پہلا قانون کہتا ہے کہ اگر کوئی چیز ساکن ہے، تو وہ اس وقت تک ساکن رہے گی، جب تک اس کو حرکت دینے والی طاقت سے حرکت نہ دی جائے۔ اور اگر کوئی چیز حرکت میں ہے، تو وہ اس وقت تک حرکت میں رہے گی، جب تک اس کو روکنے والی قوت کے ساتھ روک نہ دیا جائے۔

نیوٹن کا دوسرا قانون بتاتا ہے کہ یہ قوت F جو کمیت M پر عمل کر رہی ہے، قوت M کی رفتار

میں فی سیکنڈ اضافہ یا کمی اس قوت F ہی کی سمت میں اس کے متناسب ہوتی ہے۔ ان دونوں قوانین سے پتا چلا کہ کوئی حرکت خود بخود نہیں ہوتی۔ اس کے لئے کسی فاعل کی ضرورت ہوتی ہے۔ نیز انٹراپی کے قانون (Entropy Law) کے مطابق چیزوں میں وقت کے ساتھ بے قاعدگی (Disorder) آتی ہے۔ اس کو روکنے کے لئے کوئی نظام ہونا چاہئے۔ جب بے قاعدگی کو روکنے کے لئے نظام ہونا چاہئے، تو بے قاعدہ چیزوں کو با قاعدہ بنانے کے لئے تو بدرجہ اولیٰ نظام کی ضرورت ہو گی۔ ان باتوں کا جواب منکرینِ خدا یہ دیتے ہیں کہ خدا کو کس نے بنایا؟ ہم ان کے جواب میں کہتے ہیں کہ ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں، جتنا ہم جانتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ سب چیزوں کو بنانے والا خدا ہے۔ ہم خدا کہتے ہی اس کو ہیں، جو کسی کا کسی چیز میں محتاج نہ ہو، ورنہ وہ خدا نہیں ہو گا۔ ہم جس کو خدا کہتے ہیں اس کے بارے میں ہم یہی جانتے ہیں کہ وہ کسی کا کسی بھی چیز میں محتاج نہیں، اس لئے اس سوال کا جواب ہماری حدود سے باہر ہے۔ ہر چیز کے لئے کسی خالق کا ہونا؛ یہ ہماری رینج میں ہے، اس لئے اس کو ہم مانتے ہیں۔

خدا ایک ہے:

کیونکہ خدا کسی کا محتاج نہیں ہو سکتا اور دو نظام بالکل ایک دوسرے سے آزاد نظام مل کر ایک نظام نہیں چلا سکتے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر دو خدا ہوتے، تو کائنات میں فساد برپا ہو جاتا۔ اگر کوئی شخص کہے کہ کائنات میں کئی نظاموں میں ان کے ارکان کی آپس میں ایسی باہمی ہم آہنگی ہوتی ہے کہ سارا نظام ٹھیک چل رہا ہوتا ہے، تو اس طرح اس کائنات کو چلانے والے ایک سے زائد خداوں میں بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ لوگ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ

کائنات کے اندر مختلف ارکان میں باہمی ہم آہنگی کی وجہ ان کی محتاجی ہے کہ ہر ایک کے مفادات دوسروں پر منحصر ہیں۔ اس طرح سب کو ایک خدا نے باہم متحد رکھا ہوا ہے۔ لیکن چونکہ خدا کسی کا محتاج نہیں ہوتا، اس لئے دو ایسے خدا جو کسی کے محتاج نہ ہوں، ان کی موجودگی بیک وقت ناممکن ہے۔ کیونکہ ان کے باہم متحد ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہو گی، کیونکہ خدا کے ہاں احتیاج نہیں، بلکہ بے نیازی ہے۔

کائنات کی تخلیق کی نوعیت، جعلِ مرکب اور جعلِ بسیط کی بحث:

جعل کسی چیز کے بنانے کو کہتے ہیں۔ اس کی نوعیت کیا ہے؟ اس کا جواب بعض لوگ یہ دیتے ہیں کہ ماہیت کو قیوم کے ساتھ جوڑنے کا عمل "جعل" ہے۔ دوسرے لفظوں میں حقیقت اور حقیقت کے قیوم کا باہمی ربط پیدا کرنا "جعل" کہلاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر ان کا ربط توڑ دیا جائے، تو وہ چیز معدوم ہو جائے گی۔ مثلاً: کرسی کا ذہن میں نقشہ موجود ہے، لیکن کرسی جو اس نقشے کی بنیاد پر بنی تھی، جب وہ توڑ دی گئی، تو اس کا قیوم کے ساتھ ربط ٹوٹ گیا۔ ماہیت یا ڈیزائین تو موجود ہے، لیکن اس کا ظِل ختم ہو گیا۔ کچھ لوگ جن کا خیال ہے کہ معدومات کا ثبوت ممکن نہیں۔ وہ یہ کہیں گے کہ جو چیز نیستی سے آموجود ہوئی اور جو اب خارج میں ہے، وہی حقیقت اور ماہیت بھی ہے، تو ایسی صورت میں اس کے معدوم ہونے کا مطلب اس حقیقت کا ختم ہونا ہو گا۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ ماہیت کے کئی حصوں میں سے کسی ایک حصے کا جب اس کے قیوم کے ساتھ رابطہ جوڑا جاتا ہے، تو اس کا ظل وجود میں آتا ہے اور اگر ان کا آپس میں رشتہ توڑا جاتا ہے، تو وہ ظل معدوم ہو جاتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ ماہیت ہی ظل کی صورت میں آموجود ہو جاتی

ہو۔ اسی طرح کسی چیز کے معدوم ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ قیوم کے ساتھ ماہیت کا جو رشتہ پیدا ہو گیا تھا، اس کو توڑ کر ثبوت کے درجے میں اس ماہیت کو واپس کر دیا جاتا ہو۔ جیسے مندرجہ بالا مثال میں کرسی کا لکڑی سے رشتہ توڑ کر درجۂ ثبوت میں کرسی کی ماہیت کو واپس کیا جائے، ایسا نہیں ہوتا۔

جیسا کہ بتایا گیا کہ ظل کا تعلق فرد اور ماہیت کے کسی خاص حصے کے ساتھ ہوتا ہے اور ماہیت کا تعلق نوع کے ساتھ ہوتا ہے۔ چونکہ ماہیت کلی ہوتی ہے، اس کے کئی حصے ہو سکتے ہیں، جو ظلال بن جاتے ہیں۔ پس جعل (بنانے کا عمل) کو اگر ظل کے لحاظ سے دیکھا جائے کہ یہ اس ظل کو عدم سے وجود میں لانے کا نام ہے، تو یہ "جعلِ بسیط" (یعنی ایک ہی شے سے بنانا) کہلائے گا اور اگر یہ سمجھیں کہ پہلے ماہیت کے حصے (ظلال) بنے اور پھر ظل قیوم کے ساتھ ملا، تو یہ دو عمل ہوئے، اس لئے یہ "جعلِ مرکب" کہلائے گا۔ پس جعل کے عمل کو بسیط یا مرکب کہنا نقطۂ نظر کے حساب سے ہے گویا کہ یہ نزاعِ لفظی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

عالم یا کائنات کی حقیقت کے بارے میں حضرت شیخ محی الدین ابن عربی اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہما کے اقوال کی تشریح:

اس بحث سے یہ نتیجہ بھی آسانی کے ساتھ نکالا جا سکتا ہے کہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے حضرات جو یہ کہتے ہیں کہ اعیانِ ثابتہ نے وجود کی بُو بھی نہیں سونگھی، تو ان کے اس قول میں اعیان سے یہاں مراد ظل نہیں، بلکہ ماہیت یا ڈیزائن ہے اور ماہیت کا خارج میں وجود نہیں ہوتا، اس لئے ان کا قول صحیح ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس امکانی عالم (جو

کہ ہمارے سامنے ہے) کی ذات تو معدوم ہے، لیکن اس کا اثر موجود ہے اور کچھ حضرات کہتے ہیں کہ یہ اسماء کے ظلال ہیں اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مقید ہونے کے اعتبار سے جس کو عالم یا کائنات کہتے ہیں، اگر اس کو مطلق ہونے کے لحاظ سے دیکھا جائے تو وہی قیوم کہلاتا ہے اور وہی جب قیود سے آزاد ہو تو قیوم کہلاتا ہے۔ ان بحثوں میں یہ نظر آتا ہے کہ ہر گروہ عالم کی الگ تعریف کر رہا ہے۔ ان کی اپنی اپنی تعریف کے مطابق ہر ایک کی بات صحیح ہو سکتی ہے۔

تفصیل سے اگر دیکھا جائے کہ عالمِ امکان سے اگر امکانی حقائقِ ماہیات مراد ہوں، تو بلاشک ان حقائق کی اصل ذات یقیناً معدوم ہے۔ صرف ان کا اثر دنیا میں موجود ہے۔ اور اگر عالمِ امکانی سے مراد امکانی حقائق کے بجائے ان ہی حقائق اور ماہیتوں کے وہ حصے ہیں، جو قیوم سے جڑ کر بحیثیت ہویت منتزع (extract) ہو رہے ہیں، تو بلاشبہ پھر ان ہی اسمائے کونیہ یعنی ان حقائق کے ظلال ہی کا نام عالمِ امکان ہے۔ اگر ایسا ہے، تو قیوم ہی بلاشبہ عالمِ امکانی قرار پائے بشرطیکہ ان کے ساتھ ان ماہیتوں کے ظلال کا تعلق پیدا ہو گیا ہو۔

قیوم واحد ہے:

تمام امکانی حقائق یعنی اللہ کے علاوہ جو کچھ ہے، ان سب کا قیوم ایک واحد شخصی امر ہے۔ اسی امر سے سب پیدا ہوئے اور جتنی دیر تک سب موجود رہیں گے، ان کو موجود اور برقرار رکھنے والی قوت بھی وہی ہے۔

اس کی دلیل:

اگر اس دعوے کو نہیں مانا جائے گا اور متعدد قیوموں کا نظریہ پیش کیا جائے گا، تو ان تمام

قیوموں میں قیومیت کی صفت اور خود موجود ہونے کی صفت مشترک ہو گی۔ ان میں سے ہر ایک قیوم ماہیتوں کا مبدا ِ تعین ہو گا اور ان کے تمام آثار کے ظہور کا باعث ہو گا۔ الغرض قیومیت کی ساری صفات ان قیوموں میں مشترک ہوں گی۔ پس متعدد قیوموں میں ان مشترک چیزوں کے متعلق کیا حکم ہو سکتا ہے؟ اگر یہ کہ ان کا شخصی وجود سب میں مشترک ہے، تو یہ بداہتاً ممکن نہیں ہے، جیسا کہ کسی انسان کی قیومیت دو بدنوں کے ساتھ ممکن نہیں۔ اور اگر شخصی وجود کے بجائے اس کا احتمال ہو کہ ان خصوصیات کا کلی مفہوم ان میں مشترک ہے، تو کلی مفہومات محض ذہنی اور اختراعی امور ہوتے ہیں۔ خارج میں وہ معدوم ہوتے ہیں۔ پس ایسی چیز جو معدوم ہو، وہ ایسی چیزوں میں جو بناءِ وجودِ ہستیاں ہوں، کیسے مشترک ہو سکتی ہے؟ اس لئے لازماً ایسا موجود جس میں قیومیت کی ساری صفات پائی جائیں، وہ ساری کائنات میں ایک ہی ہونا چاہئے۔ اور مذکورہ بالا قیومی خصوصیات اپنے کلی مفہومات کے ظلال یعنی خارجی افراد قرار دیئے جائیں اور یہی قیومی شخص جس طرح سب چیزوں کا قیوم ہے، اسی طرح وہ ان قیومی صفات کا بھی قیوم ہو۔ البتہ یہ ماننا پڑے گا کہ ان قیومی خصوصیات کا تعلق دوسرے ظلال سے پہلے قائم ہوا ہے۔

قیوم ماہیت اور ظلال دونوں کو وجود بخشتا ہے

کائنات میں جو کچھ ہے، ان سب چیزوں کا قیوم ایک واحدِ شخصی ہی ہو سکتا ہے۔ کائنات میں موجود سب چیزیں ظلال ہیں اور وہ واحدِ شخصی ان سب چیزوں کا قیوم ہے۔ اسی طرح ان کے حقائق اور ماہیتوں کے ساتھ بھی قیوم کا تعلق ہوتا ہے۔ جیسا کہ کرسی بناتے وقت نجّار (carpenter) کے ذہن میں کرسی کا جو نقشہ تھا، اس کا مبداِ تعین لکڑی تھی اور جب وہ کرسی بن

گئی، تو اس کا قیوم بھی وہی لکڑی ہے یعنی لکڑی ان دونوں یعنی اس کے نقشے اور اس بنی ہوئی کرسی کا وجود ہے۔ پس قیوم ظِل اور حقیقت دونوں کا وجود ہے اور اس کو کائنات کی تمام ہویتوں سے بھی تعلق ہے، جیسا کہ لکڑی کرسی کی شکل و صورت کے تعین کا منشاء قرار پائی، تو وہی اس کرسی کی ھویت بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس خاص ہویت کو اس قیوم یعنی لکڑی کے ساتھ وہی نسبت ہے، جو کسی مقید کو مطلق کے ساتھ ہوتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ کائنات کی حقیقتوں کی ہویتوں سے قیوم کو نسبت وہی ہے، جو مقید کو مطلق کے ساتھ ہوتی ہے۔

یہاں مطلق سے مراد کسی ذہنی قید سے آزاد ذات ہے اور مقید سے مراد یہ ہے کہ وہ مطلق ان قیود کے ساتھ پایا جائے۔ جیسے: لکڑی کی وہ حالت کہ جب اس میں کرسی کی شکل و صورت مد نظر نہ ہو، مطلق ہے اور جب اس لکڑی پر طاری کرسی کی حالت پر توجہ مرکوز ہو، تو وہ مقید ہے۔ پس اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ ایک واحد ذات کے ساتھ موجود ہے اور ان سارے ظلال کا قیام و بقا اور قرار و ثبات اسی کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس صورت میں سب کی ذات ایک اور ماہیتیں مختلف ہیں۔ جیسے کرسی اور تخت کی ماہیتیں مختلف ہیں، لیکن ان دونوں کی ذات ایک ہے یعنی لکڑی، جو ان دونوں کا قیوم ہے۔ ان سے بزرگوں نے ان اصطلاحات کا اجراء فرمایا ہے۔ مختصراً یہ عرض کیا جا سکتا ہے کہ تمام موجود چیزوں میں چونکہ وجود مشترک ہے، اس لئے ان کا مبدإِ تعین یعنی قیوم بھی مشترک ہے۔

قیوم کو بعض حضرات نے ظاہر الوجود (External being) کہا، بعض نے ”**اَلْوُجُوْدُ**

اَلْمُنْبَسِطُ عَلٰی هَیْکَلِ الْمُوْجُوْدَاتِ''، بعض نے نفسِ رحمانی اور نفسِ کلیہ کہا۔ کبھی اس کو اسمائے الٰہیہ کا خاتم، کبھی تعبیر الرحمٰن اور کبھی المرید کہا گیا۔ بعض لوگوں نے جو یہ لکھا ہے کہ صوفیاء کے نزدیک واجب کے وجود کی مثال کلی طبعی جیسی ہے، یہ صوفیاء پر بہتان ہے اور ان کی بات نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے قیوم اور مُقَوِّم میں فرق نہیں سمجھا۔ ان بزرگوں سے تو یہ منقول ہے کہ واجب تعالیٰ تمام ماہیتوں کا قیوم ہے اور اس کے سوا جتنے امکانی حقائق ہیں، وہ حق ہی کے وجود کی مختلف شکلیں اور شیون ہیں۔ ان دونوں کے فرق پر غور کیا جائے، تو معلوم ہو گا کہ دونوں میں کتنا عظیم فرق ہے۔

بعض متکلمین نے حضرت شیخ ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ کی طرف ایک لغوبات منسوب کی ہے اور وہ یہ کہ وہ وجود، جس کی وجہ سے چیزیں موجود ہوتی ہیں، جسے ''وجود ما بہ الموجودیت'' کہتے ہیں، شیخ ابو الحسن رحمۃ اللہ علیہ اس کے تعدد کے قائل ہیں۔ اس طرح کہ وجود میں تعدد حقیقتوں کے تابع ہے۔ جس طرح انسان کی حقیقت اور بیل کی حقیقت مختلف ہے، جس کے یہ معنی ہوئے کہ یہ بات کہ ''وجود تمام موجودات میں مشترک ہے'' اس میں وجود سے مراد صرف لفظِ وجود ہے ورنہ سب چیزوں کا وجود مختلف ہے۔ جیسا کہ انسان کی حقیقت بیل کی حقیقت سے مختلف ہے۔ اس میں غلطی یہ ہے کہ وہ وجود کے معنی نہیں سمجھے۔ اس کو ایسا سمجھا جائے کہ مثلاً: گھوڑا اور آدمی دونوں موجود ہیں، تو ان دونوں چیزوں میں موجود ہونا مشترک ہے۔ ہاں آدمی اور عنقاء میں یہ اشتراک نہیں ہو سکتا۔ آدمی کی دو حالتوں عدم اور وجود میں اشتراک نہیں۔ کیا اس وقت یہ

اشتراک صرف لفظِ وجود تک ہے یا حقیقت میں ہے؟۔ آدمی اور گھوڑے میں "ہونے" کا اشتراک ان کے ایک قیوم کی نشان دہی کرتا ہے۔

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ، راولپنڈی کے شب وروز

الحمدللہ، خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ میں حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم کے دروس و خطبات کا سلسلہ نہایت پابندی کے ساتھ جاری و ساری ہے جس سے طالبانِ حق مسلسل سیراب ہو رہے ہیں۔ دروس کی تفصیل درج ذیل ہے:

آج کی بات

روزانہ صبح بعد از نمازِ فجر تین مختصر بیانات ہوتے ہیں

- درسِ قرآن
- ریاض الصالحین سے ایک حدیث شریف کی تعلیم
- مطالعہ سیرت بصورت سوال

جمعۃ المبارک:

- کسی ایک مسجد میں جمعہ کا بیان
- ختم قرآن، مجلسِ درود شریف اور اس کے بعد جمعہ کی آخری گھڑیوں میں دعا (عصر اور مغرب کے درمیان)

ہفتہ:

- حضرت مولانا اشرف سلیمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب **"سلوکِ سلیمانی"** اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب **"خطبات حکیم الامت"** کا درس (بعد نمازِ مغرب)

- بعد از عصر (ہفتہ) تا اشراق (اتوار) تک مرد حضرات کے لیے خانقاہ میں اصلاحی و تربیتی جوڑ ہوتا ہے، جس کے معمولات یہ ہیں: نمازِ عصر کے بعد انفرادی ذکر، نمازِ مغرب اور اوابین کے بعد جوڑ بیان اور مجلسِ ذکر میں شرکت، نمازِ عشاء کے بعد منزل جدید کی تلاوت، سورہ ملک کی تلاوت، ختمِ خواجگان، مجلسِ درود شریف، حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الحیی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "**اسوۂ رسولِ اکرم ﷺ**" سے تعلیم، کھانے پینے اور سونے کے آداب و سنن کی تعلیم، کھانا، آرام، نمازِ تہجد اور انفرادی معمولات، ختمِ قرآن اور نمازِ اشراق

اتوار:

- (خواتین کے لیے اصلاحی بیان) دن 11 سے 12 بجے تک خانقاہ میں شرعی پردے کے اہتمام کے ساتھ۔

نوٹ: ہر ماہ میں کسی ایک اتوار کو خانقاہ میں صبح 9 سے 12 بجے تک تین گھنٹے کا خواتین کیلئے اصلاحی و تربیتی خصوصی جوڑ ہوتا ہے۔

- فرض عین علم کی تعلیم (بعد نمازِ مغرب)
- انگریزی میں بیان (رات ساڑھے 8 بجے)

پیر:

- پشتو میں بیان (بعد نمازِ عصر)
- اصلاح و تربیت کے متعلق (بذریعہ وٹس ایپ، ای میل اور ٹیلی فون پر موصول

ہونے والے) سوالات کے جوابات (بعد نمازِ مغرب)

منگل:

- مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء کتاب **مثنوی شریف** کا درس (بعد نمازِ مغرب)

بدھ:

- حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے **مکتوبات شریفہ** سے درس (بعد نمازِ مغرب)

جمعرات:

- حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب **"سیرت النبی ﷺ"** سے درس (بعد نمازِ مغرب)
- درود شریف کی مجلس (درودِ تنجینا ایک ہزار مرتبہ، اسکے بعد نعت شریف، چہل درود شریف و سلام کی سماعت اور مناجاتِ مقبول سے دعا)

بزرگوں کی تحریریں کیوں پڑھنی چاہئیں؟

بزرگوں کی تحریریں اُن کی زندگی کا نچوڑ ہوتی ہیں۔ ہم ہزاروں تجربات کرکے جس چیز تک نہیں پہنچ سکتے ان کی تحریروں سے ہم اُن چیزوں تک آناًفاناً پہنچ سکتے ہیں۔ اس وجہ سے بزرگوں کی ان تحریروں میں ریسرچ کرنا جس سے ہمارا یہ مقصد حاصل ہوتا ہو بہت مفید ہے۔ پھر ان میں مجددین حضرات کا رنگ بالکل الگ ہوتا ہے کیونکہ مجددین حضرات کی تحقیقات عمومی دین کے لئے ہوتی ہیں جو کہ اس وقت کے لوگوں کی سطح کے مطابق پیدا شدہ فروگزاشتوں کو دور کرکے دین کو اصلی صورت میں ظاہر کرتے ہیں۔

اگر صرف ایک آخری مجدد کی اتباع کی جائے تو وہ بھی کافی ہوتی ہے لیکن اگر چند متواتر مجددین کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو اس سے حالات کے مطابق مطلوبہ تبدیلی لانے کا فن آشکارہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس کے بعد اگر کوئی تبدیلی آتی ہے تو اس کے لئے "by the process of extrapolation" حل ڈھونڈنا آسان ہو جاتا ہے۔

اس کتاب میں ہم نے اپنے ان اکابر کے فیوضات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے جو کہ قلب، عقل اور نفس کی اصلاح کے متعلق راہنمائی میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلبی اعمال بہت اونچے تھے جو کہ قلبی واردات والے حضرات کی راہنمائی کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے عقلی اعمال بہت زیادہ اونچے تھے۔ اس وجہ سے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات کا فائدہ اُن لوگوں کو زیادہ ہوتا ہے جن کی عقلیں بہت آگے کا سوچتی ہیں۔ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صفائی نفس کے اعمال بہت اعلیٰ تھے اس وجہ سے حضرت کی تعلیمات نفس کی صفائی کے کاموں میں مشعلِ راہ ہیں۔ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات آج کل کے منطقی موشگافیوں کے جوابات کے لئے ماحول بنانے اور صلاحیت پیدا کرنے کے لئے مفید ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اکابر کی تعلیمات سے پورا پورا مستفید ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

051 5470582 | 0332 5289274

sshabirkakakhel@gmail.com,
sshabir@tazkia.org

0315 5195788 حضرت شاہ صاحب مدظلہ کو سوالات بھیجنے کیلئے

www.tazkia.org